

# چھوٹا نہیں

شاہینہ چند امہتاب

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY  
www.pdfbooksfree.pk

**PDFBOOKSFREE.PK**

چھوٹا نہیں ..... شاہینہ پندرامہتاب

اللہ نے کچھ بڑی باتیں ہی ڈی ڈالی اور اس بات میں اپنے خود بخود رکش پر بیٹھی۔ اپنے پرندے بغلوں کی کن ڈالی تھی جو یہ لادہ کی پیشہ کی مانت تھی وہ چٹنی والے دن دو پہر کا لکھا لکھا کر لکونی اچھی مووی یا نئے گیتوں کی سی ڈی ضرور دیکھتی تھی اور آج اس وقت لادہ کی دعا میں تو اسکرین پر تیس مرتبہ مذہبن علیہ بھائی کی جانب مڑا تھا۔ مدت بعد اس گھر کے مرنے آگن میں ایک بڑی خوشی آتی تھی۔ سنا تامل یقین بات کتنی تھی مگر یہ سچ تھا۔ اللہ اللہ کہے عابد بھائی نے باآخر شادی کے لیے رضامندی دے دی تھی۔ یہ بات سب کو معلوم ہوتے ہی گھر میں کوئی خوشی کی ایک لہری دوڑ گئی۔ انیس برس بہت گئے تھے عابد ملک سے باہر گئے ہوئے مگر چٹنی لے کر وہ اس دوران صرف ایک بار ہی آئے تھے۔ اس ایک چٹنی کے بعد انہوں نے کوئی کبھی چٹنی پہ نہ آنے کی قسم کھائی تھی۔ گھر یا خاندان میں کوئی خوشی یا غمی وہوں پر ہی مبارک یاد کہہ دیتے تھے اور فون پر ہی عیادت اور تعزیت کر لیتے۔ عابد بھائی کی چٹنی پہ نہ آنے کی وجہ وہ یہ ہے کہ عابد بھائی پانچ بہنوں کے اکلوتے بھائی ہیں اور اتفاق سے سب ہی بہنیں ان سے چھوٹی تھیں یوں تو سب ہی بھائی بہن اسکول جاتے تھے اور والدین سب ہی کا خیال رکھتے تھے لیکن عابد بھائی کی پر حمانی پر خاص تو جدی جاتی کو کہ خود بخود ایک کوشکاپ میں ملکیت تھے مگر چپا تھے تھے اکلوتا بیٹا پڑا لکھ کر آنا گھر پہنچے اس لیے گھر میں صرف عابد بھائی کی تعلیم پر ہی خاص توجہ دی جاتی تھی۔ بچوں میں صرف عابد بھائی کو ٹیوشن کی فیک شاک سولت مائل رہی سی۔ وہ چٹنی کہ نہ یہ کہ عابد بھائی کے اس میں پوزیشن کے رکھا گیا ہوتا رہے۔ لیکن کانچا جاتے ہی نہانے کس کی نظر گئی کہ عابد بھائی کے لیے لکھے، وئے ابو کے مارے خوب بکھر نے گئے۔ کانچ کی دو سال کی پر حمانی کے بعد جو رولٹ آیا وہ کچھ بڑیاؤں و فوڈ کو نہیں تھا۔ صرف مارکس جے حد کم تھے بلکہ آفیش کے پیپر میں عابد بھائی رہ گئے تھے حالانکہ کانچ کے ساتھ ساتھ اکیڈمی بھی جو ان کے گھر بھی تھی۔ ان کا یہ روز بگڑ گیا۔ ابوں کے لیے شاک تھا مگر یہ سوچ کر ان کو کچھ نہ کہا کیا کہ وہ میزک تب گھر کا اس میں پوزیشن لیتے رہے تھے، چلو، سار نہیں اگلی بار نسل جانیں گے صد افسوس کہ ہزار گوشوں کے باوجود ابو کے خوب نہری گئے۔ پہلے تو کسی کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ یہ سب کچھ کیوں ہو رہا ہے لیکن جب عابد بھائی ایف اے میں تیسری بار رہ گئے تھے معلوم ہوا اصل میں کانچ جاتے ہی عابد بھائی کو زمانے کی ہوا لگتی تھی۔ ان کو کسی لڑکی سے محبت ہو گئی تھی۔ محبت تو خیر لڑکا لڑکی سے ہی کرتا ہے۔ ہاں تو ان کو بھی ایک لڑکی سے محبت ہو گئی تھی جس کا گھر ان کے کانچ کے راستے میں پرنا تھا۔ ادھر سے عابد بھائی گھر سے نکلے ادھر سے وہ اسکول جانے کو ٹیوشن سے میزک کی اسٹوڈنٹ تھی ایک دن ادھر سے وہ اتفاق سے راستے میں ٹکرائیں چاروں میں اور محبت کی کہانی کا آنا ز ہو گیا اور جب محبت ہو جائے تو پھر اور چپا ہے کچھ بھی نہ ہو مگر پر حمانی ذرا کم کم ہی ہوتی ہے۔ اپنے ہاں بار بار نسل ہونے کی وجہ عابد بھائی نے نہیں بتائی اور شاید کسی بتاتے بھی تا وقتہ ابھی قسمت اچھی تھی جو مال کی ایک جانتے والی ایک دن اتفاق سے ان کو راستے میں لگی اور بڑی راز داری سے لال کو بتایا۔

یہ بتانے کے بعد انہوں نے مزید ورنہ جانے یا یا لڑکی کے بارے میں ماں سے کہا کہ ماں کی وہ پہلی اس لڑکی کے چھلکی رہنے والی تھیں۔ ان کی باتیں سن کر ماں نے سے بھری گھر آئیں۔ شکر کہ عابد بھائی اس وقت گھر پر موجود نہیں تھے۔ ماں نے ابوسیت سب گھر والوں کو عابد بھائی کے بار بار اٹھنے ہونے کی اسل وجہ بتادی تو بہت سوچنے کے بعد عابد بھائی سے کھل کر بات کرنے کا فیصلہ کر لیا گیا کہ وہ چاہے کیا کہیں؟ تاہم یہ بھی طے کر لیا گیا کہ ان کو یہ بات ہرگز نہیں بتائی جائے گی کہ ان کی اواسٹوری گھر تک پہنچ گئی ہے۔ اسی رات کمانے کے بعد گھر کی پہلی کا اجلاس رکھا گیا۔ ماں اب اس وقت بے حد فسر وہ تھے جب سب جمع ہو گئے تو سب سے پہلے ماں نے عابد بھائی کو دیکھتے ہوئے بات شروع کی۔

”اپنی حیثیت سے بڑھ کر ہمیشہ اچھا کھانے کو دیا، اچھا پہنے کو دیا..... جو بھی بٹا فورا حاضر کر دیا اور صلہ کیا لہذا ایک بائیس دو بائیس تیسری بار بھی رہ گئے۔ یہ تمہیں ہو گیا گیا ہے آخر تم چاہتے کیا ہو؟ کچھ نہیں بھی تو پتہ چلے کیا پڑھانی سے دل آگیا ہے یا کوئی اور وجہ ہے؟“

”وجہ تو کوئی بھی نہیں میری تو خود کچھ میں نہیں آتا اور ڈوالے میرے ساتھ ایسا کیوں کر رہے ہیں جب کہ میں تو آج بھی ویسی ہی منت کرتا ہوں جیسی پہلے کرتا تھا۔“ خالد بھائی نے مضبوط ہن کر کہا۔ ان کی بات کن کر باقی سب تو چپ رہے مگر ابو جو حقہ پیتے ماں بیٹے کے درمیان ہونے والی بات چیت غور سے کن رہے تھے منہ سے حقہ کی نال نکال کر خالد بھائی کو دیکھتے ہوئے ماں سے کہا۔

”میں تو جانتا تھا میرا بیٹا لکھ کر ایک بڑا آدمی اور نرس بنے اور اب۔۔۔ سی والے کمرے میں کرسی پر بیٹھ کر باپوں کو جیسی اچھی زندگی گزارے۔ اس کو گاڑیوں کے اندر ماحر لیت کر مرنے کا تہیج کالے نہ کرنے پر میں پرستار کے کر لکھے کو کون مال سکتا ہے اگر یہ بڑھ لیتا تو اس میں ہمارا نہیں اس کا اپنا ہی فائدہ تھا۔“ وہ خاموش ہو کر کچھ عرصہ علیہ بیٹائی کو دیکھتے رہے پھر اندر ہی اندر کو فیصلہ کر رہے ہوں اور جب یہ فیصلہ ہو گیا تو انہوں نے علیہ بیٹائی سے کہا۔

”بڑھائی تو تمہاری قسم ہوئی۔ اب تم میرے ساتھ پور کشتاپ جایا کر کے۔“

”میرا“ علیہ بیٹائی نے کہا تھا جانتے تھے میرا بونے سننا ہی نہیں آیا۔

”اگر عمر کی اب گنجائش ہی نہیں۔ میری پانچ بیٹیاں ہیں۔ ان کی پڑھائی اور شادی بیاہ کا بھی سوچنا ہے۔ اتنا فالتو پیڑ نہیں ہے میرے پاس کہ تہا ری پڑھائی پر ضائع کرنا رہوں۔ مزدور بندہ ہوں میں۔ اب تم باء! لپٹ کر۔ میں۔“ اور ابا بھائی مزید کچھ کہے بغیر اسی وقت اٹھ کر اپنے کمرے میں چلے گئے لیکن موڈ ان کا بے حد خراب تھا۔ جب وہ چلے گئے تو انے ماں سے کہا۔

”میرے دوست حمید کا بیاہ ترمی میں کام کرتا ہے اور ٹھیک ٹھاک کما تا ہے۔ حمید سے کہتا ہوں کہ عابد کے لیے ویزہ بھیجے۔ پہلے تو یہ امید تھی کہ پڑھ لکھ کر افسر بن جائے گا لیکن اب جب پڑھائی والا سلسلہ ہی ختم ہو گیا تو پھر وقت ضائع کرنا اچھی بات نہیں اور نہ ہی تو اباہ بن کر گلیوں میں لو لکیوں کے پیچھے پھرنے کی ضرورت ہے۔ کام کئے اور

باہر جائے۔" ابوی اس بات سے سب ہی نے اتفاق کیا۔

اگلی صبح جب کہ ساتھ روکشاپ جاتے ہوئے علیہ بھائی کا مودہ کچھ زیادہ غوغلوارٹیں تھا گر تین بارفل ہونے کے بعد اب انکار کی گنجائش نہیں تھی سو چپ چاپ چلے گئے۔

جو کام چھ سال لگا کر بھی نہیں سکھاتے وہ کام علیہ بھائی کو چھ ماہ میں سکھادیا گیا۔ یہ کام سکھانے والا اپنا سکا پتھرا پر ویہ انجی آگیا اور سادہ بھائی سب سے مل کر سب کو رونا چھوڑ کر جرمی چلے گئے۔ ایک ہی دنیا ایک بھائی تھا اور وہ بھی گھر سے چلا گیا تھا۔ کتنے دن گھر میں خاموشی رہی۔ کسی کا دوسرے سے بات کرنے کو دل نہیں چاہتا تھا۔ کوئی ایسا دن نہیں گزرتا تھا جب کہ نہیں بھائی کو یاد کر کے نہ روتی ہوں۔ بھائی کے دکھائی نہ دینے پر چھوٹی کرن سب سے زیادہ روتی تھی اور روتی تو امان بھی تھیں گریٹیڈوں سے چپ کر۔ بچہ مآ نے جانے کا سلسلہ شروع ہوا تو سب کھوڑا سا سکون ملا اور بیٹے اور بھائی کے بڑے مستقبل کی خاطر سب نے سینے پر بھاری پتھر رکھا کہ ان کی جدائی کو ذہنی صورت قبول کر لی جائے۔



ہاں کے گل پر چپے تھے۔ آپ میا اور پانچ بیاباں۔ مینا ماد سب سے بڑھتا تھا۔ انیس ماہ تہ چھوٹی تھیں۔ بڑی بائی شامیہ بیچوں بائی شامیہ۔ نمبر پڑا پا ناچتھا نابہ  
لادہ کا تھا جب کہ سب سے چھوٹی اور آخری بیچی کرن تھی۔ یوں تو ہاں بھی ابوی طرح سب بیٹیوں سے شدید محبت کرتی تھیں لیکن کبھی کبھار بیٹیوں کی کسی اور حوالے سے گھر  
میں کوئی مسئلہ نہوتا تو ہاں ضرور رکتی۔

”محض دوسرے بیٹے کی امید میں اپنے آگے بیٹوں کی اٹھ لگالی۔“ خاص کر چھوٹی کرن کا نام لے کر کہتیں۔“ میں نے تو چوتھی بیٹی کے بعد مزید بچے لینے کا پروگرام ختم کر دیا تھا وہ تو تہمیدی دہائی نے کہا کہ چار بیٹیوں کے بعد اللہ ضرور لگا دیتا ہے۔ میں ان کی باتوں میں آگئی مگر یہاں تو اللہ نے چوتھی کے بعد پانچویں بھی بیٹی ہی دے دی۔ بے چارے اکیلے باپ پر اتنا بوجھ.....“ یہ ایک بات تھی کہ سب بیٹیوں میں چھوٹی ہونے کے علاوہ سب سے زیادہ محبت کرن سے کرتی تھیں۔ تاہم جب نابہ بھائی ملک سے باہر چلے گئے تو انہوں نے دل ہی دل میں گہرا سکون محسوس کیا کہ باپ کا بوجھ ہلکا کرنے کا سبب بن گیا۔ یہی سوچ تھی جس کی وجہ سے انہوں نے بیٹے کے ملک سے باہر جاتے ہی ٹی بی ایورٹس بیہ کر شے دیکھنے شروع کر دیے۔ اچھا شہنشاہ طے نہ پڑی تھی۔ خیال تھا نابہ بھائی جب پہلی بار پاکستان آئیں گے تو عسکری کی رسم ادا کر دیں گے اور دوسری چوتھی کے لیے شادی کا پروگرام طے کر لیا گیا۔ مگر انسان سوچتا کچھ بے اور ہوتا کچھ ہے۔ نابہ بھائی پہلی چوتھی پر پاکستان آئے تو ان کا پروگرام تھا چند روز تو اپنا اور گھر والوں کا حال احوال سننے بیٹہ بولے گزیر۔ اور پھر ایک دن مجھے ان کا سامنے کھڑا ہوا۔ چھوٹی بیٹی کے سامنے پہلی بار بھڑکتا ہوا چہرہ دیکھ کر کہتے ہوئے سنا کہ تعلیم سے ان کو ہر دم بچنے کی وجہ تھی کہ ان کو ایک بار دیکھ کر ان کی محبت ہو گئی تھی۔

”تمک سے جانے سے پہلے آخری ملاقات میں میں نے فرح سے وعدہ کیا تھا کہ اب اس وطن آتے ہی اپنی ماں کو تہوار ہاتھ مارنے لگے گی۔ یارمی، بن اب تم خود ملاں سے میرے لیے بات کرو اور ملاں کو ساتھ لے کر میرا رشتہ مانگنے جاؤ۔ مجھے یقین ہے کہ وہ لوگ انکار نہیں کریں گے۔“ ٹوم کو بھائی سے بے حد محبت تھی۔ اس نے وعدہ کر لیا کہ وہ آج ہی ملاں سے بات کریں گی اور جب ٹومی نے ملاں سے بھائی کی خواہش بیان کی تو ملاں کو آگ سی لگ گئی اور انہوں نے گڑ کر کہا۔

”اے۔ ابھی اس کی عمر کیا ہے۔۔۔ صرف بائیس سال اور اپنی شادی کی گڑ گئی جب کہ گھر میں ایک نہیں دو بیٹیں چٹھی ہیں۔ بھائی پہلے بیٹوں کا سوچتے ہیں پھر اپنا اور یہ ابھی خواتین کرتی ہوں کہ عار سے کہتے ہی اپنی شادی کی گڑ گئی۔“

”ماں اچیلے لڑکی والوں سے بات کر کے دیکھتے ہیں۔ بھائی کہتے ہیں ان کو فرج سے شادی محبت ہے۔ وہ اس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے۔ اگر لڑکی والے مان جاتے ہیں تو اچھی بات کہی کر دیتے ہیں۔ شادی بعد میں ہوتی رہے گی۔ اگر آپ نے ابھی انکار کر دیا تو بھائی خفا ہو کر واپس چلے جائیں گے اور پھر شاید کبھی واپس نہ آئیں۔“ ثومیہ نے اپنی طرف سے سمجھانے کے ساتھ ساتھ لال کو ڈر لایا بھی مگر ماں ڈرنے والی کہاں تھیں۔ انہوں نے سب کچھ برا کئی ہی بے رحمی سے کہا۔

”واپس جانا ہے تو پتہ لایا جائے مجھے پھر پوچھنا نہیں لیکن میں لڑکی والوں کے گھر نہیں جاؤ گی تھادوس کو۔“

مگر لال بات کرنے میں حرج ہی کیا ہے شادی تو کرنی ہے تا بھائی کی۔ ”نزدی مشکل سے ثومیہ نے بالآخر لال کو لڑکی والوں کے گھر جانے کے لیے رضامند کیا اور پھر علیحدہ بھائی کو بھی خوشخبری سنائی کہ لال خوش خوشی اس رشتے پر راضی ہو گئی ہیں۔ علیحدہ بھائی کی سن کر بے حد خوش ہوئے ورنہ ان کو اندیشہ تھا کہ لال کیسے انکار نہ کر دیں بہر حال



”رات کو تہارے ابو سے بات ہوئی اگر وہ مان گئے تو ٹھیک ہے چلے جائیں گے اور اگر انہوں نے انکار کر دیا تو پھر مجھے مجبور نہ کرنا۔“ ماں نے شومیہ سے کہہ دیا۔

رات کو جب ماں نے ابو کو بھائی کے بارے میں بتایا تو انہوں نے کہا۔

”عابد کی ماں وہ اب کمانے لگا ہے۔ اس لیے اپنی خواہش بیان کرنے کا حق رکھتا ہے۔ اس لڑکی کی محبت میں اس نے اپنا تعلیمی مستقبل تباہ کر لیا پھر وہ اس کو کیسے بھول یا چھوڑ سکتا ہے۔ تم ٹومیہ کو ساتھ لے کر چلی جاؤ۔ اگر وہ لوگ ہاں کرتے ہیں تو ابھی بات چلی کر کے منگنی کر دیتے ہیں۔ شادی تو میہ اور ٹومیہ کے بعد کر دیں گے۔ ابھی انکار کر کے بیٹے کو مارش کرنے کی ضرورت نہیں کہ شادی تو بہر حال اس کی کرنی ہی ہے۔“

ماں چپ چاپ سوچتی رہیں کوئی جواب نہیں دیا کہ ان کا دل جانے کو نامنای نہیں تھا مگر جب لائے ان کو سوچوں میں گم دیکھ کر پھر سے سمجھایا تو جانا مجبوری بن گیا۔ اگلے روز عابد بھائی رکشالے میں ٹومیہ ماں کو فوٹو لڑکی والوں کے گھر کے باہر چھوڑ کر خود ہی رکشہ میں واپس گھر چلے آئے اور ماں دروازے پر دستک دینے بغیر ٹومیہ کو لے کر گھر کے صحن میں چلی گئیں گھر کا دروازہ کھلتا تھا۔

صرف لڑکی کی بھائی اپنے دو بچوں کے ساتھ صحن میں موجود تھی۔ ماں وہیں دوسری چارپائی پر اس کے سامنے بیٹھ گئی اور ملکی پھلکی بات چیت کے بعد ماں نے اپنے آنے کا مقصد بیان کیا تو لڑکی کی بھائی نے بتایا۔

”تین ماہ پہلے ایک اچھا رشتہ ملنے پر فرح کی شادی کر دی تھی اور ایک ماہ پہلے وہ اپنے شوہر کے پاس خود بھی کویت چلی گئی ہے۔ آپ نے آنے میں بہت دیر کر دی۔“

ماں کو یہ سب سن کر دل ہی دل میں بہت غوشی ہوئی اور انہوں نے فوراً جانے کی اجازت چاہی جب کہ ٹومیہ کو لڑکی کی شادی کا سن کر از حد افسوس ہوا تھا کہ بھائی نے کہا تھا وہ فرح کے بغیر..... وہ دیکھ سے سوچ رہی تھی۔

”آپ آئے ہیں تو چاہئے پانی تو پیتے جائیں۔“ لڑکی کی بھائی نے بھد اچھی عورت تھی۔

”اس کی ضرورت نہیں ہم ابھی ابھی ناشتہ کر کے آئے ہیں۔“ ماں نے کہا اور خدا حافظ کہہ کر ان کے گھر سے نکل آئیں اور باہر آتے ہی ماں نے آسمان کی طرف دیکھ کر کہا۔ ”اللہ تبارک ہے۔“ پھر انہوں نے ٹومیہ سے کہا۔ ”جانی جو جب میں گھر سے چلی گئی تو سوچا تھا اللہ کرے لڑکی کی منگنی یا شادی ہو چکی ہو اور وہی ہو تو میہ میں نے تمہیں بتایا تو تھا۔ تمہاری خالہ جان کتنی قسمیں لڑکی اچھے کر داری نہیں جب ہی تمہارے بھائی کا انتظار کرنے کی بجائے اچھا رشتہ ملنے پر اس نے شادی کر لی۔ اچھا ہوا سانپ بھی مر گیا اور اچھی بھی جگہ گئی۔“

ٹومیہ کو ماں کی یہ باتیں اچھی نہیں لگی تھیں مگر وہ چپ تھی۔ وہ گھر آئی تو عابد بھائی صحن میں ٹہل رہے تھے۔ ٹومیہ کو بھائی پر از حد افسوس ہوا یہ سوچ کر کہ ابھی جب ان کو پتہ چلے گا کہ ان کی محبت کسی ورک ہو چکی ہے تو ان کے دل پر کیا گزرنے گی اس کا دل چاہا ماں کو روک دے کہ وہ بھائی کو یہ دیکھ دینے والی بات نہ ہی بتائیں مگر قبل اس کہ وہ ماں کو کچھ کہتی ماں نے عابد بھائی کے قریب رکھتے ہوئے ان کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بغیر کسی تمہید کے بڑی بے رحمی سے کہا۔

”عابد! تین ماہ پہلے لڑکی نے شادی کر لی۔“ ماں کا بات کرنے کا انداز ایسا تھا جیسے لڑکی نے خود عابد بھائی کو چھوڑ کر کویت میرج کر لی ہو۔ ”اور ایک ماہ پہلے وہ کویت چلی گئی۔ لڑکی کی بھائی نے بتایا ہے۔“

عابد ان کے جلدی آنے پر حیران ہوئے تھے اور دل میں سوچا تھا کہیں کچھ غلط نہ ہو گیا ہو اور وہی ہوا تھا۔ وہ ماں کی بات سن کر کتنی دیر گم سم وہیں کھڑے خلا میں گھورتے رہے اور پھر ایک گھٹکھٹ منہ سے نکالے بغیر وہ اپنے روم میں چلے گئے۔

مگر جلد ہی واپس آئے۔ اب ان کے ہاتھ کاغذات والا چھوٹا پرس تھا۔ وہ صحن میں کھڑی ماں اور ٹومیہ کو نظر انداز کرتے ہوئے گھر سے باہر چلے گئے اور ان کے جاتے ہی ٹومیہ نے کہا۔

”ماں! اچھٹو لگتا ہے بھائی واپس جانے کے لیے نکلتا ہو کہ کروانے گئے ہیں۔“

”جانتا جانتا جائے لڑکی کی شادی ہم نے تو نہیں کروائی۔ تم یہ بتاؤ آج کتنا کیا ہے۔ پہلے ہی بہت دیر ہو چکی ہے۔“

”ماں آپ کو پکانے کی پڑی ہے یا اگر بھائی واقعی چلے گئے تو.....“ ٹومیہ بھائی کے لیے پریشان تھی۔

”ٹومیہ تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں نے کہا تھا جاتا ہے تو جاتا ہے میری بات۔ میں پوچھتی ہوں ابھی مری کتنی ہے صرف بائیس سال اور اپنی شادی کی پڑ گئی اور پھر کراتے ہوئے بھی کتنے دن ہو گئے ہیں بعد اچھی آنکھ دن بھی نہیں گزرے کراتے ہوئے نہ شرم نہ حیا کیسے بے شرمی سے منہ پھاڑ کر کہہ دیا میری شادی کر دیں۔“ والدین کا خیال نہ ہونے کا پتہ کیا میری کتنی ہی اپنی پڑ گئی۔ ”ماں بڑ بڑاتی ہوئی ٹومیہ سے پوچھنے بغیر ہی بڑی لینے چلی گئیں اور جلد ہی آٹو اینجن کے لیے چلی آئیں۔

”ماں! یہ کیا اٹھا لائی ہیں؟“ ٹومیہ کو آٹو اچھے لگتے تھے مگر اینجن نہیں۔ اس کی بات سن کر ماں نے کہا۔

”زیادہ باتیں نہ بنا جلدی میں یہی ایک بڑی پک کتنی ہے۔ پہنچے آئے والے ہیں اور تمہارا باپ کو روک شاپ روٹی دینے کا بھی وقت ہو رہا ہے۔ تم جلدی سے ادھر نماز پڑھاؤ گا کہ معاملہ بھونپو تب تک میں سبزی کاٹ لیتی ہوں۔“

ٹومیہ چپ چاپ کچن میں چلی گئی۔ پھر وہ سب کھانا کھا کر بھی فارغ ہو گئے۔ روک شاپ سے لڑکا آکر کھانا لے کر بھی چاہا مگر عابد بھائی نہیں آئے۔

رات ابو آئے تو ماں نے بتا دیا کہ لڑکی کی شادی کر کے کویت اپنے شوہر کے پاس جا چکی ہے اور مینا آپ کا مارے صدمے کے اسی وقت کا کاغذات والا پرس لے کر گھر سے

نکا ابھی تک نہیں آیا۔ لگتا ہے واپسی کی نکت ہو کر کروانے گیا ہے۔ لڑکی نے اگر شادی کر لی تو اس میں ہمارا کیا قصور.....؟“

ابو کو بھی لڑکی کی شادی کا سن کر وہ کہہ دو لیکن ان کو یقین نہیں تھا کہ اس بات کو جواز بنا کر عابد واپس چلا جائے گا۔ ماں دیکھ سے کہتی رہیں۔

”بڑا اصول ہوتا ہے ماں باپ کا بھی جو کھانا چاہا کر اپنا تن سن دین اور اولاد پر نار کر دیتے ہیں اور اولاد پیسہ کراتے ہی اپنا سوچنے لگتی ہے۔“ ابو نے کوئی جواب نہ دیا۔ حقد چیتے رہے اور عابد کا سوچتے رہے جو ابھی تک نہیں آتا تھا اور رات گئے جب عابد بھائی گھر آئے تو سب گھر والے سوچے تھے۔ صرف ٹومیہ ہی جاگ رہی تھی۔ بلکی ہی دستک کی آواز سن کر وہ جاگ کر باہر آئی اور پورے کا پورا دروازہ کھول دیا اور عابد بھائی اندر آ گئے۔ پھر ٹومیہ سے بغیر کوئی بات کہے وہ اپنے روم کی جانب بڑھتے تو میہ بھائی اپنے روم جانے کے بھائی کے پیچھے پیچھے ان کے روم میں چلی آئی۔ عابد بھائی کاغذات والا پرس دیوار گیر لماری میں رکھ رہے تھے تو ٹومیہ نے ان کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”کھانا لاؤں آپ کے لیے؟“

”بھوک نہیں ہے۔“ انہوں نے مختصر سا جواب دیا اور اس روم میں چلے گئے اور ٹومیہ ان کے باہر آنے تک کمرے کے وسط میں کھڑی رہی۔ عابد بھائی باہر آئے اور ٹومیہ کو

کھڑے دیکھ کر صرف اتنا کہا۔ ”تم گئی نہیں ابھی؟“

”جاری ہوں۔“ ٹومیہ روم سے نکل کر سیدھی کچن میں آئی۔ بھائی کے لیے بڑے میں کھانا لگا پھر پانی کی بوتل ساتھ لیے وہ دروازہ روم میں آئی تو عابد بھائی بستر پر بیٹھ چکے تھے۔ ٹومیہ نے ان کے سامنے کھانا رکھا تو انہوں نے نرمی سے کہا۔

”ٹومی! میں نے تم سے کہا تھا کہ مجھے بھوک نہیں۔“

”پھر بھی بھیا کھانا آپ کو کھانا پڑے گا۔ ہم نے آپ کی بات ماننے سے انکار تو نہیں کیا تھا۔ ہم تو پوری محبت سے آپ کے لیے رشتہ مانگتے گئے تھے۔ اب یہ آپ کی قسمت

کہ لڑکی شادی کر کے کویت جا چکی ہے۔ آپ کو میری قسم کھانا کھائیں ورنہ میں رو دوں گی۔“

اور عابد بھائی چپ چاپ کھانا کھانے لگے۔ ان کو کھانا دے دیکھ کر ٹومیہ چائے بنانے لگی تھی۔ جب تک وہ چائے لے کر آئی تب تک عابد بھائی کھانا کھا کر فارغ ہو چکے تھے۔ ٹومیہ نے ان کو چائے دی اور انہوں نے بھی بغیر کچھ کہے گئے تمام لیا۔ ٹومیہ بھی وہیں ان کے قریب بیٹھ گئی۔ وہ پوچھنا چاہ رہی تھی بھائی سارا دن کہاں رہے مگر پوچھنے کی نوبت نہ آئی۔ چائے کے سیرپ لینے ہوئے عابد بھائی نے خودی بتا دیا۔

”ٹومی! میں واپسی کی نکت ہو کر کروانے گیا تھا اور اب پرسوں شام کی فحاش سے واپس جا رہا ہوں۔ شاید کبھی نہ لوٹ کر آنے کے لیے۔“ یہ سنتے ہی ٹومیہ رونے لگی اس کو تو پہلے ہی شک تھا کہ بھائی واپسی کی نکت ہو کر کروانے گئے ہیں۔ عابد بھائی نے اس کے رونے کی پروا کیے بغیر کہا۔

”میں تمہاری کیفیت سمجھتا ہوں مگر ٹومی! کچھ باتیں انسان کے اپنے اختیار میں نہیں ہوتیں۔ اب اس شہر میں ایک پل رکنے کوئی نہیں چاہتا جہاں وہ نہیں ہے۔ ہم دونوں نے آخری ملاقات میں قسم کھائی تھی وہ ہیرے بغیر کسی نے شادی نہیں کرے گی نہ میں ہی اس کے سوا وہ کسی سے شادی کروں گا۔ وہ لڑکی تھی۔ لڑکیاں کمزور ہوتی ہیں اور مجبور بھی۔ شاید یہ اس لیے اس نے شادی کر لی مگر میں مردوں نے مجبور ہوں نہ کمزور میں اس قسم کو بھٹاؤں گا کبھی شادی نہیں کروں گا اور نہ ہی کبھی لوٹ کر اس شہر میں آؤں گا۔ اب تم برتن اٹھاؤ اور جاؤ کہ مجھے سخت نیند آ رہی ہے۔ سارا دن مصروف گزارا۔“ کہہ کر انہوں نے ہاتھ سے بھی جانے کا اشارہ کیا حالانکہ آج کی رات تو نیند آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوا تھا کہ آج کی رات ہی تو عمر بھر کے لیے گھر کا آنا کر کے والی پہلی رات تھی۔

ٹومیہ بھائی کا موڈ دیکھ کر چپ چاپ برتن اٹھا کر چلی آئی۔ برتن کچن میں رکھ کر وہ دروازہ بند کر کے اپنے کمرے میں آئی تو شوہر بڑے آرام سے سو رہی تھی۔ وہ اس کے ساتھ لیٹ گئی مگر عابد بھائی کا سوچتے ہوئے نیند بہت دیر سے آتی تھی۔

صبح تو میہ بھی اوزر واریات سے فارغ ہو کر باہر آئی کہ ناشتہ سب کے لیے وہی بناتی تھی۔ باہر ماں جنت پوش پر کن لے لیے بیٹھی تھیں۔ ٹومیہ کو دیکھتے ہی بولیں۔

”آج تمہیں ناشتہ بنانے کی ضرورت نہیں۔ عابد ملوہ پوری کانا شتہ لینے گیا ہے۔“ اسی کو ٹومیہ قریب بیٹھ کر بتائی چا تھی کہ عابد بھائی کل واپس جا رہے ہیں مگر ٹومیہ کے کچھ کہنے سے پہلے ہی عابد بھائی ناشتہ لے کر آ گئے۔ ٹومیہ نے ٹویہ سے چٹائی بچھانے کا کہا اور خود عابد بھائی کے ہاتھ سے ناشتہ والا شاپ لیا اور جلد ہی برتنوں میں ڈال کر لے آئی۔ سب نے مل کر ناشتہ کیا پھر چائے پیتے ہوئے عابد بھائی نے بتایا۔

”ماں! میں کل واپس جا رہا ہوں۔“

”ابھی تو تمہاری چٹائی میں کافی دن باقی ہیں۔ پھر پرسوں کیوں جا رہے ہو؟“ ماں نے سب کچھ جانتے ہوئے بھی انجان بن کر پوچھا۔

”ماں! چٹائی تو 40 دن کی ہے مگر ایک ضروری کام کی وجہ سے میرا ابھی جانا ضروری ہے۔“ عابد بھائی نے ابھی اتنا ہی کہا کہ ماں بول پڑیں۔

”سیدھی طرح یہ کیون نہیں کہتے کہ اس لڑکی سے رشتہ نہ بنوے پر واپس بارہ بے ہوائی غم دیکھو ابھی صرف بائیس سال ہے مگر لڑکی کی بھر شادی کے لیے مناسب نہیں ہوتی۔ تمہاری خواہش کے لیے ہم پھر بھی چلے گئے۔ اب اگر ہمارے ہانے سے جس لڑکی کی شادی کر کے کویت یا جاپکی بے تو اس میں ہمارا کیا قصور ہے؟ تم کل نہیں جاؤ گے بلکہ اپنی پوری چٹائی گزار کر جاؤ گے۔ کچھ خیال ہے تمہیں کہ ہمیں دن رات تمہیں یاد کر کے کیسے روتی رہی ہیں۔ ابھی تو انہوں نے تم سے جی بھر کر باتیں بھی نہیں کیں اور تم واپس جانے کا کہہ رہے ہو۔“

مگر عابد بھائی پر ماں کی باتوں کا کچھ اثر نہ ہوا اور وہ جلد از جلد اس شہر سے نکلنا چاہتے تھے۔

”اب تو مجبوری ہے ماں کو نکتہ بھی لوگے ہو گئی ہے۔ جانا تو اب کل ہی ہوگا۔“ نور مزید سواوٹ سے بچنے کے لیے چائے کا آخری گھونٹ بھرتے ہی غالی گ وپیں رکھ کر اپنے کمرے میں چلے گئے۔

ماں غصے میں بو لے نکلیں۔ بہنیں بھائی کے اتنی جلدی جانے کا سن کر رونے لگیں مگر عابد بھائی پر کچھ اثر نہ ہوا وہ اپنے پروگرام کے مطابق ابھی شام سب سے مل کر واپس چلے گئے اور ان کے جانے کے بعد ماں کوٹھ میں نے بتا دیا کہ عابد بھائی کہتے تھے۔ وہ اب کبھی واپس نہیں آئیں گے اور نہ ہی ساری زندگی شادی کریں گے ان کو اس لڑکی سے جتنی محبت تھی بلکہ ہے۔ یہ سن کر ماں کو بے حد غصہ آیا اور وہ چہرہ پر کمرہ لیں۔

”ارے بڑی دیکھی ہیں ہم نے لمبی چٹتیں۔ جوانی میں مجھے بھی اپنے چچا کے بیٹے سے محبت ہو گئی تھی بلکہ ہم دونوں ہی ایک دوسرے سے جتنی محبت کرتے تھے۔ ایک دوسرے کو کیسے یادوں میں گزارتا تھا کہ بچپن کا ساتھ تھا۔ افضل کے کہنے پر ہی گھر والوں نے ہم دونوں کی معافی کر دی۔ ہم دونوں ہی بے حد خوش تھے۔ شادی میں ابھی تین ادائیگی تھے کہ باہر بھتیوں میں افضل اور اس کے بھائیوں کی میر۔ بھائیوں سے لڑائی ہو گئی اور ایک بڑے بھگڑے کی صورت اختیار کر گئی۔ اس بھگڑے کے چند روز بعد بچا لوگوں نے نہ صرف ملگنی تو زدی بلکہ اسی مہینے افضل کی شادی بھی بڑی دھوم دھام سے کر دی جب کہ تین ماہ بعد یعنی چھوٹی عید پر ہماری شادی طے تھی۔ اس کی شادی کا سن کر مجھے بے حد غصہ ہوا۔ میں سمجھتی تھی کہ اگر گھر والوں نے شادی کر دی ہے کہ چچی بے حد تیز عورت تھی۔ وہ جو بڑو ہو گیا ہوگا۔ انکار نہ کر کا مگر اب میں کیا کروں۔۔۔ میں اس کو یاد کر کے دن رات روتی تھی اور سوچتی تھی میری جدائی میں اس کی کیا حالت ہوگی پھر ہو یہ کہ اس کی شادی کے ایک ماہ بعد خاندان کی ایک تقریب میں میرا اس کے ساتھ سامنا ہو گیا اور میں اس کو دیکھ کر ان اور مٹی۔ دیکھتا تو دور کی بات وہ اپنی شادی پر شرمندہ بھی نہ تھا۔ مجھے دیکھتے ہی ہاتھ پکڑ کر اپنی ویسی سے کہنے لگا۔

”ارے شو تو شہزادی لگتی ہے شہر لوی۔ تمہارے سامنے کسی اور کی اہمیت ہی کیا ہے۔“ اور وہ مجھے غرت اور حیرت سے دیکھتا ہوا باہر چلا گیا اور اس کی بیوی مگر آکر مجھے دیکھنے لگی کہ یہ ہمارے گاؤں کی لڑکی تھی۔ تقریب ختم ہونے پر میں گھر آئے تب تک بدل چکی تھی۔ افضل کو یاد کر کے ہوا دھوا ختم ہو گیا تھا۔ میں نے اپنی ماں سے ساتھ افضل کہتا ہے کہ میں نے تو شادی کر لی ہے یہ ذرا اپنی بیٹی کا رشتہ کر کے دیکھا نہیں۔ اللہ دین کچھ نہیں اگر اس کا رشتہ کہیں ہونے دوں۔ بیٹھے گی ان کی بیٹی عمر بھر ان کے در پر۔ پہلے تو مجھے یہ ساری باتیں سن کر یقین نہیں آتا تھا جب اپنی آنکھوں سے اس کا رویہ دیکھا اور باتیں بھی سنیں تو مجھے یقین آ گیا کہ گھر والے سچ ہی کہتے تھے مگر والے میرے رشتہ اور شادی کے لیے کوشش کر رہے تھے مگر بات کہیں نہیں بن رہی تھی۔ لوگ آتے تھے مجھے دیکھتے ہی پسند کر جاتے پھر جو بدل جاتا۔ سب گھر والوں کا خیال تھا کہ چچی سب کو فتح کر دیتی ہے۔ میں تو خود پریشان تھی سوچی گھر والے مجھ سے بھی زیادہ پریشان تھے کہ ایسے میں رمضان کا مقدس مہینہ آ گیا اور مہینے کی آخری طاق راتوں میں میں شادی کی نیت کر کے انکشاف میں بیٹھ گئی۔ کہتے ہیں آپ صرف نیت کر کے انکشاف میں نہیں تو عید آنے سے پہلے ہی اللہ آپ کی خواہش پوری کر دیتا ہے۔ میں دن رات رو رو کر عبادت کرتی اور اللہ سے کتنی میری شادی افضل سے زیادہ اچھے انسان سے ہو جائے اور میرے سب نے میری فریاد سن لی۔ میں ابھی انکشاف سے اٹھی بھی نہ تھی کہ لاہور سے تمہاری داوی مجھے دیکھنے آ گئیں اس نے پر دہانہ کر مجھے انکشاف کی حالت میں عبادت کرتے دیکھا اور پسند کر لیا کہ میں بھی بے حد خوب صورت اور اسی شام چھوٹی بہن نے میرے آگے نظاری کے لوازمات رکھتے ہوئے بتایا کہ وہ لوگ مجھے پسند کر گئے ہیں۔ یہ سب سن کر میں بے حد خوش ہوئی۔ شکرانے کے نفل پر ساتے رات گزار گئی۔ پھر عید کے فوراً بعد میری معافی تمہارے باپ کے ساتھ ہو گئی جو دیکھنے میں افضل سے زیادہ خوب صورت تھا اور لاہور میں ان کا اپنا ذاتی گھر تھا اور یوں بھی تمہارا باپ لاہور کی ایک بڑی ورکشاپ میں معروف مینیک تھا جب کہ افضل چیل کی ریڑھی لگا تا تھا۔“ ماں مسلسل بولتے بولتے چپ ہو گئیں چند لمبے خاموش رہیں پھر ماں نے زہر خند سے کہا۔

”محبت محبت سب کو اس ہے۔ یہاں کوئی کسی سے محبت نہیں کرتا خاص کر مرد و زکو محبت سے زیادہ زندہ جو کی ضرورت ہوتی ہے اور تمہارے بھائی کی ابھی مری کیا ہے کہ اپنی شادی کی پرگنی جب کہ گھر میں دو دو جوان بہنیں بٹھی ہیں۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ پہلے بہنوں کی شادی کرنا تا کہ بڑے سے باپ کا جو بھلا ہوتا مگر ابھی پورا کمانے بھی نہیں لگا کا اپنی پرگنی اور پھر لڑکی بھی اچھے کردار کی نہیں تھی اچھا ہوا جو اس کی شادی ہو گئی۔ باقی رہی اس کے جانے کی بات۔ چاہا ہے ٹھیک ہے۔ مجھے پر واپس اب پہلے تمہاری ورنش دیکھی شادی کروں گی پھر گھر بٹائوں گی۔ رہی اللہ۔ اور کرن وہ ابھی بہت چھوٹی ہیں ان کی بعد میں دیکھی جائے گی۔“ ماں نے اپنا پرہ و گم و گم میو کہ بتا دیا۔

”پر ماں ابھائی تو کہتے ہیں وہ کبھی شادی نہیں کریں گے۔“ ثویب نے ایک بار پھر بتانا شروع کر دیا۔

”ارے کرے گا شادی کرے گا۔ کیوں نہیں ہو رہا دیکھنا حق بیاری دین لاہور میں کسی کو سارا مشق محبت بھول جائے گا۔ ماں نے اپنے ذاتی تجربے کی روشنی میں پورے یقین سے کہا اور پھر ماں نے جو کہا تھا وہی کیا۔ پہلے تو ثویب کی ایک آنکھی شادی کی پھر گھر بھی بنے سرے سے خوب صورت بنالیا۔ اپنے کام کے ساتھ ساتھ وہ عابد بھائی کو واپس آنے کا بھی کہتی رہی مگر وہ نہ آئے اور ماں ان کے نہ آنے کا نوکس بننے لگی۔ پھر گھر گیا تو اسامہ اور بھائی کے رشتے کی تلاش شروع ہوئی اور جب اسامہ اور عابد بھائی کا رشتہ طے ہو گیا تو ماں نے فون پر عابد بھائی کو ان کا رشتہ طے ہونے کی اطلاع دی۔ اپنے رشتے کا سنتے ہی بھائی بھڑک اٹھے۔

”ماں اچھے شادی نہیں کرتی۔ آپ کو مجھ سے پوچھ کر میرا رشتہ طے کرنا چاہیے تھا۔ اب آپ ان کو جواب دے کہ صرف اسامی شادی کر دیں۔ مجھے نفع شادی کرنے سے پورن کبھی واپس آتا ہے۔ ہاں پیسے میں آپ کو بھیجتا رہوں گا۔“ عابد بھائی خاموش ہوئے تو ماں نے کہا۔

”کہتے برس ہو گئے ہیں تمہیں پاکستان سے گئے ہوئے۔ کچھ خیال ہے تمہیں کہ ہم سب تمہیں دیکھنے کو کتنا ترستے ہیں۔ اب تو تمہارا باپ بھی بیمار رہنے لگا ہے۔ میری اپنی شوگر مانی رہنے لگی ہے۔“ ماں نے یہ سب کہہ کر عابد بھائی کو ایک سیل کرنا چاہا مگر وہ کسی بات سے بھی متاثر نہ ہوئے بغیر بولے۔

”ماں! میں اپنی محبت اور اپنے دل کے ہاتھوں مجبور ہوں۔ آپ مجھے بھول کر صرف اسامی شادی کر دیں۔“ اور فون بند کر دیا پھر اسامی شادی تو کر دی ماں نے مگر بیٹے کی تجاوی کا سوچ کر اب ماں کو اندھنوں نے آن گھیرا۔ اگر واقعی عابد کبھی واپس نہ آیا۔ ایک سی پنا ہے اور وہ بھی کہتا تھا کبھی شادی نہیں کروں گا۔ یہ سوچ سوچ کر ماں کے دل کو کچھ ہونے لگا پھر ماں نے نہ کوئی دبا ر چھوڑا نہ مزہ نہ دیا تو یہ لگتا۔ والا چھوڑا جہاں سے تعویذ نہ لیا ہو جہاں منت نہ مانی ہو کہ جینا شادی کے لیے مان جائے تو دو دو لگے ہوں گی۔ یہ سب ہونے کے باوجود بھی عابد بھائی اپنے فیصلے پر ڈے رہے تو یوں ہو کر ماں حقیقت میں بیمار چڑ گئیں۔ شو مہیے نے بھائی کو دیکھ کر کہتا تھا بھائی نے فوراً فون کیا۔ ماں کو کوئی اپنی بات منوانے کا ایک اچھا موقع مل گیا اور انہوں نے روتے ہوئے کہا۔

”یہ بیماری تمہاری وجہ سے ہے اگر شادی کے لیے ماں نہ کی تو پھر میرے مرنے پر بھی آنے کی کوئی ضرورت نہیں۔“

ہوئے بھی پہلی بار بیٹے کو کھنچا اور عابد بھائی مان گئے اور پھر عابد بھائی پاکستان آئی گئے۔ جس دن عابد بھائی واپس آئے اس دن گھر میں عید کا سماں تھا۔ ماں اب بہنیں پہلے تو بھائی کے گل کر روتے رہے پھر خوش ہو گئیں کا دور شروع ہو گیا۔ خاندان کا ہر فرد خوش تھا۔

پھر پوری دھوم دھام سے عابد بھائی کی شادی بھی ہو گئی اکیلا بیٹا تھا اس لیے سب ارمان نکالے گئے۔ عابد بھائی بھید و ان سب کی خوشی کی خاطر چپ چاپ سب کرتے گئے۔ تاہم شادی کی پہلی صبح عابد بھائی اپنے روم سے باہر آئے تو ماں نے پوچھا۔

”دین پسند آئی؟“ اور عابد بھائی منہ سے کچھ کہنے کی بجائے سر ہلاتے ہوئے باہر چلے گئے۔

ان کا کہہ رہے ہر حد پر سکون تھا۔ یہ دیکھ کر ماں نے بیٹیوں سے کہا۔

”ارے میاں بیوی کا رشتہ تو حلق ایسا ہے کہ پہلی رات ہی دونوں میں محبت ہو جاتی ہے۔ اللہ نے یونہی تو میاں بیوی کو ایک دوسرے کا لباس نہیں کہا اور شوہر تو ویسے بھی عابد کی دین پر ہی ہے جس نے زیادہ خوب صورت لائی ہوں پھر بھلا پسند کیسے نہ آتی۔ محبت محبت سب کو اس ہے۔“ ماں نے غرت بھرتے لہجے میں کہا۔

اور پھر یہ بات سب نے ہی محسوس کر لی کہ عابد بھائی کو دین از حد پسند آئی تھی۔ وہ جو تنجید کی چہرے پر سجائے پاکستان آئے تھے وہ ختم ہو چکی تھی۔ بھائی بات بعد میں کرتے تھے مگر اتنے پہلے تھے۔ سب کی موجودگی میں بھی ان کی لڑائی اپنی دین کے تعاقب میں رہتی تھیں۔

عابد بھائی کی شادی سے ایک ہفتہ پہلے ہی ہماری کزنز ہمارے گھر آ گئی تھیں۔ بیٹی ہمارے سارے خاندان میں رواج تھا۔ خالچا ناموں پھوپھی کسی کے بیٹے یا بیٹی کی شادی ہوتی تو خاندان بھر کی نوجوان لڑکیاں ایک ہفتہ پہلے ہی دھوک اور خوشی منانے شادی والے گھر آ جاتیں۔ میری کزنز بھی عابد بھائی کی شادی سے ایک ہفتہ پہلے ہمارے گھر چنکا۔ ابھی کہیں اب شادی کے بعد وہ چائے لگیں تو ماں نے کہا۔

”میں نے منت مانی تھی کہ عابد شادی کے لیے مان جائے تو شادی کے بعد اللہ کے کام پر دو دہائیں دوں گی۔ کل دسویں دینی جس تم لوگ پر سوں ہی جانا اور کزنز کو بھلا کیا اہتر ایش ہو سکتا تھا۔ وہ خوش خوشی مان گئیں۔

دوسرے دن جب ہم اپنی دو تین کزنز کے ساتھ محلے میں چاول بانٹنے جا رہی تھی چاول و ملی بات کام کرنے والی عورت نے نکھار کھی تھی تب ماں نے بطور خاص مجھ سے کہا۔ ”بیٹی! تمہاری خال میری کے مکان کے کوپر والے پورٹن میں ایک ماہ پہلے نے کرائے دار آئے ہیں تمہارے بھائی کی شادی کی تیاری میں صرف رہنے سے مجھے پتہ ہی نہ پورا ہوا۔ میں ان کو شادی میں ضرور جاتی۔ صرف ماں بیٹیاں ہیں کل وہ عورت مجھے راستے میں ملی اور شادی کی مبارکباد دیتے ہوئے شکوہ کیا کہ شادی میں بڑا تاؤ دور کی بات آپ نے تو محلے میں چاول تقسیم کرتے ہوئے ہمیں چاول دینا بھی کوار نہیں کیا۔ اب آج تو اسے تم نہ صرف انہیں چاول دینا بلکہ یہاں وہی دینا کہ ان کا شکوہ جاتا رہے۔“

ماں کی بات سن کر ہمارا دلہ لڑکیاں ایک ماہ پہلے سے پڑے ہوئے کپڑے پہیلے۔ نے گئی تو نظریوں کی خال میرا کی بھت کی جانب اٹھ گئی اور ماں سے یہ دیکھ کر یہ ان رہ گئی کہ ان کی بھت پر ایک بے حد خوب صورت جوان لڑکا کھڑا اس کو دیکھ رہا تھا۔ اللہ وہیں رکھ کر بہنوں میں سکیز کر اس کو فور سے دیکھتے ہوئے سوچنے لگی کہ یوں ہو سکتا ہے۔

اللہ کے بچپن سے ہی دونوں گھر وں کا ساتھ تھا اس لیے وہ ایک دوسرے کے سب ہی رشتے داروں کو بھی جانتے پہچانتے تھے مگر اس لڑکے کو اللہ نے پہلی بار دیکھا تھا۔



لو کے لئے لمد کو اتنے نور سے اپنی جانب دیکھتے پایا تو مسکرا دیا۔

”ارے۔۔۔“ لمد نے چہ نکلتے ہوئے منہ پھیرا اور دل میں سوچا کتنا افر ہے یہ لڑکا۔ شاید اس کو پہنچانے کی کوشش کر رہی تھی اور اس نے نہ جانے کیا سمجھا بد تمیز۔ وہ جب بھی چھت پر کپڑے ڈالنے جاتی۔ اس لڑکے کو بھی سرین کی چھت پر پہلے سے موجود پاتی۔ وہ شاید بے کاری تھا جو سارا دن چھت پر ہی نظر آتا تھا۔ نہ دیکھتے ہوئے بھی لمد محسوس کرتی تھی وہ مسلسل اس کو دیکھتا رہتا ہے اور اگر کبھی اتفاق سے لمد کی نگاہ اس کی جانب اٹھ جاتی تو بڑی بے باکی سے وہ مسکراتے ہوئے ہاتھ کے اشارے سے اس کا مال احوال پوچھتا اور لمد جلدی جلدی اپنا کام ختم کر کے نیچے آ جاتی اور دل میں سوچتی پتا نہیں اس لڑکے کو کیا لگاؤ تھی یا خوش بھی ہو گئی ہے۔

پھر شادی کے بنگاموں میں وہ اس کو بھول گئی۔ تاہم اتنا اس کو اچھی طرح یاد تھا کہ ہندی والی رات جب وہ خاندان میراں کی بیٹی سرین کو بلائے گئی جو اس کی بچی کھلی تھی۔ میزک تک دونوں نے ایک ہی اسکول میں پڑھا تھا۔ میزک کے بعد سرین نے تعلیم کو خیر باد کہہ کر ایک سلائی اسکول میں داخلہ لے لیا تھا۔ بھول سرین کے عملی زندگی میں پڑھائی سے زیادہ ہنر مند ہونا ضروری ہے جب کہ لمد کا لٹریچر جلی آتی تھی۔

ہاں تو جب وہ سرین کو بلائے آتی تو وہی لڑکا گھر کے مین دروازے پر کھڑا تھا۔ لمد کے ساتھ اس کی کزن زگی بھی تھی۔ وہ اس لڑکے کے قریب سے گزر کر اندر جانے لگی تو اس نے بے حد آہستگی سے کہا۔

”بہت پیاری لکڑی ہیں۔“ لمد اس کو نظر انداز کرتی ہوئی جلدی سے اندر چلی گئی۔

لڑکیاں دیکھ کر اکثر لڑکوں کو اس قسم کی بات کہنے کی عادت ہوتی ہے اس لیے لمد نے سنی ان سنی کی اور جلدی سرین کو ساتھ لیے باہر آئی تو وہ اب بھی وہیں کھڑا تھا۔ لمد چاہنے کے باوجود بھی سرین سے اس کے بارے میں پوچھ نہ سکی کہ اتنا نام ہی نہیں تھا۔ لڑکیاں ہندی لے کر دہلی کے گھر جانے کے لیے گاڑیوں میں بیٹھ رہی تھیں اور لمد نے محسوس کیا تھا گاڑی میں بیٹھنے کے بعد وہ اس لڑکے کی نگاہوں کے حصار میں رہی تھی۔ لمد نے تو یہی سمجھا تھا کہ وہ خاندان میراں کے گھر مہمان آیا ہوا ہے مگر اب ماں بتا رہی تھیں کہ ان کے لوہے والے پوش میں نئے کرائے دار آئے ہیں اور لمد کو اپنی ماں کی مادت کا اچھی طرح پتہ تھا۔ ماں تو بکری عید پر قربانی کا گوشت محلے کے ہر گھر پر آنے کرائے داروں کو پہنچے بغیر ہی تھیں واصل محلے داروں کو گوشت بعد میں ملتا تھا۔ وہ اپنی کرن کے ساتھ خاندان میراں کے گھر آئی اور سرین کو پاؤں دینے کے بعد پوچھا۔

”تم لوگوں کے لوہے والے پوش میں کرائے دار آئے ہیں کیا؟ ماں! نے تاکید کی تھی۔ ان کو بھی پاؤں دے کر آنا تو تم نے مجھے بتایا ہی نہیں کہ لوہے والا حدہ کرائے پر دے دیا ہے۔“

”کرائے داری نہیں دور کے رشتے دار بھی ہیں۔ ماں کے اور یہ ایسی اہم بات بھی نہیں جو تم کو ضرور بتانی جاتی۔ خیر اب تم جاؤ۔“ اس نے لمد کو لوہے جانے کا اشارہ کیا۔

لمد اوپر آئی تو صحن میں کوئی بھی نہیں تھا۔ سرین لوگوں کا گھر تو کافی بڑا تھا مگر لوہے پر ایک بڑا سا کمرہ تھا۔ سردی مگری میں چار پائی اور دیگر سامان رکھنے کو لٹنی اسٹور کے طور پر یہ کمرہ استعمال ہوتا تھا اور اب اس کمرے کو کرائے پر دے دیا گیا تھا۔ لمد نے دیکھا دروازے پر پردہ لٹک رہا تھا۔ لمد نے ذرا سا پردہ ہٹاتے ہوئے آواز دی۔

”خالی۔۔۔“ اور یہی منہ ہی میں رہ گیا۔ چھت والا لڑکا کھڑا اس کو دیکھ رہا تھا اور وہ شاید لمد کا منتظر بھی تھا کیونکہ اس کا رخ دروازے کی سمت تھا۔ ”یہ پاؤں۔۔۔ پاؤں۔۔۔“

لمد ہٹکائی۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اندر کمرے میں چھت والا لڑکا ہو گا اور وہ بھی اکیلا۔ لڑکے نے لمد سے بڑی شرافت سے پاؤں والی پلیٹ پکڑ کر چھچھے کا رز پر رکھی اور پھر کہا۔

”بہت تڑپا ہے دور دورہ گرمی نے مجھے۔ اب آئی ہو قسمت سے تو کم از کم میرے جینے کا سامان تو کرتی جاؤ۔“

لمد ہٹکا ہاس کی شکل دیکھتی رہ گئی۔ اتنی بڑی ثروت دور دورہ بغیر کسی تعلق کے۔ مارے غصے کے وہ بھول گئی۔ لڑکے کو بھی شاید معلوم تھا وہ اکیلی نہیں اس لیے ”آئی لوہے“ کہتے ہوئے اس نے لمد کو چھوڑ دیا۔ اتنا وقت نہیں تھا کہ وہ اپنے غصے کا کھل کر اظہار کرتی اور رسوائی اخلاقی۔ اندر ہی اندر غصے سے کھوئی پلیٹ لیے بغیر وہ دروازے کی سمت بڑھی تو لڑکے نے لمد کے ہاتھ میں ایک خط دیتے ہوئے کہا۔

”اس کو پڑھ کر مجھے جواب ضرور دینا اور جلدی دینا۔ میں انتظار کروں گا۔“

لمد جواب دینے بغیر نیچے آئی اور پھر باقی پاؤں وہ کسی اور کے گھر بندہ سکی۔ اس نے ماں کو کہا۔

”میری طبیعت ٹھیک نہیں۔ آپ خود جائیں یا کرن کو سب کے ساتھ بھیج دیں۔“ اور جواب سے بغیر اپنے کمرے میں آ گئی۔ مارے غصے کے وہاں پہلی ہو رہی تھی مگر کسی سے کچھ کہہ سکی نہیں تھی۔ اس کا اندر دہرہ ہو گا وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ کتنی بے باکی سے اس نے سب کچھ اور گردنہ افلاشیر کی تعلق کو ہنر بے کے۔ لمد نے اس کا دیا ہوا خط لمداری کھول کر اس میں سنہال کر دیکھا کہ ابھی سب کزن گھر میں موجود تھیں۔ وہ اس کو پڑھ نہیں سکتی تھی تاہم اس کو اب اس بات پر بھی فضا آ رہا تھا کہ اس نے خط دیا تو میں نے لیا کیوں وہیں کیوں نہ پھینک آئی پھر اسی شام جب اس کی سب کزن اپنے اپنے گھر چلی گئیں تو لمد نے سونے سے پہلے خط نکال کر پڑھا۔

میری اپنی لمد۔

سلام محبت امیرانا مہتمم ہے۔ میں اپنی ماں کا ایک ہی بیٹا ہوں۔ پہلے ہم لوگ کوئٹہ انوہ میں رہتے تھے مگر اب کام کی تلاش میں ماں کو لیے لاہور آئے ہوں۔ میں نے میزک تک پڑھا ہے۔ میرے والد بچپن میں ہی فوت ہو گئے میزک کرنے کے بعد وسائل نہ ہونے کی وجہ سے نہ چاہتے ہوئے بھی مجھے تعلیم کو خیر باد کہنا پڑا۔ اچھا ہوا ملکینک ہوں۔ مجھے اس گھر میں آئے ہوئے تیس دنوں کا عجب میں نے پہلی بار تمہیں چھت پر دیکھا۔ تم چھت پر کپڑے ڈال رہی تھیں۔ میں تمہیں یاد دیکھتا رہا۔ مجھے تم بہت اچھی لگ رہی تھیں اور میں نے اس لمحے محسوس کیا کہ مجھے تم سے بچی محبت ہوئی ہے۔ تمہاری قسم میں پوچھ نہیں کہہ رہا ہوں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تمہیں بھی مجھ سے محبت ہو چکی ہو۔ دیکھتا تو پہلی بار تم نے بھی بہت نور سے تھا مجھے خیر تھا تو اس وقت اپنی کہہ رہا ہوں لمد میرا یقین کرو۔ اس گھر۔۔۔ ہوئے ایک ماہ کے سب ہی دن راتوں میں میں نے خوب سوچ سمجھ کر فیصلہ کیا ہے کہ میری شادی ہو تو صرف تم سے ورنہ میں ساری زندگی شادی نہیں کروں گا۔ یاد رکھنا میں جو بتا رہا ہوں وہ کتنا بھی ہوں کو کہ آج کل میں بے کار ہوں مگر جب سے تمہیں دیکھا ہے ساری پریشانی بھول گیا ہوں۔ ہر ہر چل تمہیں سوچتے ہوئے گزرتا ہے۔ سارا وقت چھت پر صرف یہ سوچ کر کھڑا رہتا ہوں کہ شاید تمہاری ایک جھلک دیکھ سکوں۔ میں نے سرین سے باتوں ہی باتوں میں تمہارا نام پوچھا تھا۔ سوائے نام کے میں تمہارے بارے میں اور کچھ نہیں جانتا۔ تم کیا کرتی ہو؟ مجھے بتاؤ مجھے معلوم ہے کہ تم شادی شدہ نہیں ہو۔ ماں مگنی شہدہ ہو سکتی ہو مگر مگنی کی مجھے پروا نہیں کیونکہ اگر مگنی ہو بھی چکی ہے تو میں خود ختم کروں گا۔ خط کا جواب ضرور لکھنا اور جلدی لکھنا میں انتظار کروں گا اور ماں دن میں ایک بار چھت پر آجایا کر فو تمہاری بہت مہربانی۔ والسلام۔

اب صرف تمہارا مہتمم

خط پڑھ کر لمد ہنرک اٹھی۔ اس کو یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے اس کے پورے جسم پر پیرول ہنرک کر آگ لگا دی ہو۔

وہ سات یا آٹھ برس کی تھی جب عابد بھائی ملک سے باہر چلے گئے تھے۔ باپ ایک بڑی ورکشاپ میں موزملینک تھا جس کو مناسب تنخواہ ملتی تھی اور جب عابد بھائی ملک سے باہر چلے گئے تو گھر کے حالات مزید بہتر ہو گئے۔ لمد اور کرن کا اسکول تو گھر کے قریب ہی تھا جہاں سے لمد نے میزک تک تعلیم حاصل کی مگر اب گھر سے کانی دور تھا مگر وہ کبھی کالج بس یا وہیں میں نہیں لگتی تھی۔ ابوا اکثر ورکشاپ سے کسی نہ کسی گاڑی میں ہی گھر آتے تھے اور صبح ورکشاپ جاتے ہوئے لمد کو کالج چھوڑ جاتے دور دورہ پیر میں ورکشاپ سے ابو کی گھر کے کوکاز دی دے کر بھیج دیتے ہو وہ لمد کو کالج سے گھر چھوڑ جاتا۔

لمد ان گاڑیوں کو کوئی گاڑی ہی تصور کرتی تھی یا پھر ابوا یا سیکڈنٹ میں آتی ہوئی کوئی گاڑی خرید لیے لے لے اور اس کو فودنا کر دو تین ماہ استعمال کرنے کے بعد فروخت کر دیتے۔ اس کی سب سہیلیاں یہی سمجھتی تھیں کہ اس کا تعلق ہے حد خوشحال خاندان سے ہے اور لمد نے خود بھی کسی کو بتانے کی ذمت نہیں کی تھی کہ وہ ایک معمولی موزملینک کی بیٹی ہے۔ اس کے پاس ہمیشہ کانی پیسے رہتے تھے۔ ابو جو روزانہ دے دیتے وہ اپنی گاہ کے اس کے علاوہ عابد بھائی سے بھی ہر ماہ کانی ملتی اور ماں سے بھی وہ کچھ لے لیتی تھی۔ کالج کی کنٹین میں وہ سب سہیلیوں سے زیادہ خرچ کرتی تھی۔ سب سہیلیوں پر اس کی مارت کا خوب رعب تھا۔ اس کا مشغلہ مووی اور ٹی وی ڈرامے دیکھنا۔ تین چار خواتین کے پرچے ہر ماہ خریدے اور ان کو پڑھنا۔ اچھے اچھے لباس پہنا اور بہن کرسب کو دکھانا اور میوزک تو اس کا دنوں تھا۔ گھر کے کام کا بچہ وہ ذرا کم ہی کرتی تھی۔ ماں کتنی ہی رنجش۔

”ارے آگے پیچھے نہیں تو چھٹی والے دن تو ہاتھ پاؤں بلا لیا کرو۔“

”ماں! اچھی والے دن کپڑے دھوئی ہوں یہ کم تو نہیں۔ سارے ہفتے میں چھٹی کا ایک ہی دن ہوتا ہے اس دن بھی مجال ہے جو آپ آرام کرنے دیں۔ گھر کی صفائی سہرتی کے لیے ایک نوکر رکھ لیں۔ کالج کی پڑھائی پہلے ہی بہت سخت ہے اور اب اکیڈمی بھی چاہنا پڑتا ہے۔“ لمد نے تفصیل بتائی تو ماں نے گھر کی صفائی کے لیے ایک لڑکی لگانی اور گھر ساتھ ہی بھی بتایا۔

”تمہاری تینوں بہنوں نے بھی پڑھا ہے مگر پڑھائی کے ساتھ ساتھ وہ گھر کے کام کا بچہ بھی کرتی تھیں اور چوبیس رسالے پڑھنے لکھنے پڑھانے کے سبب سے ہی فرصت نہیں۔ ماں نے کہا تو لمد تلک کر بولی۔

”بڑی ماں چھوٹی ماں اور آپ نے پڑھا ہے پڑھائی کتنا ہے۔ ہائی نے آٹھ پاس کر کے چھوڑ دیا۔ چھوٹی ماں میزک میں غل ہو گئی تو پڑھائی چھوڑ دی۔ آپا نے پورا میزک کر لیا تو کون سا تیر مار لیا۔ بھائی ایف۔ اے میں تین بار فیل ہوئے جب کہ میں تو ایف۔ اے میں اچھے مارکس لے کر پاس ہوئی تھی۔ آپ کو کیا پتہ کالج کی پڑھائی کتنی سخت ہوتی ہے آپ نے تو اسکول کا مٹی بھی نہیں دیکھا۔“

”بس کس زیادہ دہان پلانے کی ضرورت نہیں۔ فلاں نے یہ کیا تو فلاں نے وہ کیا۔ کرن تم سے کتنی چھوٹی ہے۔ وہ ابھی سے گھر کے کام کرتی ہے۔ اکثر اسکول سے گھر آ کر گھر کے کام کرتی ہے۔ صفائی وغیرہ وغیرہ۔ تم تو شروع سے کام چھوڑو۔“ ماں نے بھی وضاحت سے کہا کہ جو ابد بچنے کی بہانہ وہ چھپ رہی تھی کہ یہی حق تھا۔ اس کا واقعی گھر کے کام کا بچہ کرنے کو دل نہیں چاہتا تھا۔ کالج میں اس کی سب سہیلیاں فری پڑ اور ریلز نام میں جب بھی اکٹھی ہوتیں تو کوئی اپنے منگیز کا ذکر کرتی تو کوئی اپنے کزن کا تو کوئی اپنے محبوب کا۔ ان سب کی باتیں سن کر وہ تصور میں کھو جاتی۔ وہ اپنی سب بہنوں میں سب سے زیادہ خوب صورت تھی مگر ابھی تک اس نے کسی سے محبت نہ کی تھی۔ تعلیم میں بھی وہ سب بھائی بہنوں میں ابھی تک آگے تھی۔ وہ کالج میں پڑھ رہی تھی اور کالج کی زندگی کا اپنا ہی ایک رنگ تھا۔ درحقیقت کالج آ کر ہی لمد نے پہلی بار اس شخص کے بارے میں سوچا جس کے ساتھ اس کی شادی ہونا تھی اور سوچا بھی اس وقت جب اس کی سہیلیوں نے پوچھا کیا اس کی مگنی ہو چکی ہے جب لمد

نے بتایا نہیں تو انہوں نے پوچھا۔

”کیا تم کسی سے محبت کرتی ہو؟“

اس کا جواب بھر بھی وہی تھا کہ نہیں مگر امام نے یہ ہرگز نہیں بتایا تھا کہ اس کے تصور میں ایک نئی بیرونی دنیا جتنا شخص ضرور ہے۔ بعد خوب صورت اور امیر بہت بڑھا لکھا بھی جو ابھی تک اس کو ملا نہیں مگر دل ہی دل میں وہ اس کی منتظر ضرور تھی مگر سوچا کیا تھا اور بوا کیا تھا۔ امام نے ایک بار پھر خط پڑھا پھر اس کے پڑے پڑے کر ڈالے۔ اندر کی آگ بھر بھی سرد نہ ہوئی تو وہ جب بھی سووی میں بیرونی کوئیر کے ساتھ گاڑی میں کھوتا دیکھتی تو سوچتی تھی۔ ایک دیر بیرونی زندگی میں کوئی ایسا شائد لکھنے ضرور آئے گا جو اس سے انتہائی محبت کرے گا اور اب کیا ہوگا۔ بعد غصے میں کوئی اپنے روم میں کھتے ہوئے خرم کو برا بھلا کہنے لگی۔ میں تو رسائل میں پڑھی ہوئی کہانیاں اور دیکھے گئے ڈرامے اور فلمی بیرونی سے ملنے ملتے شخص کی منتظر تھی اور یہ امام نے بعد ما گواری اور غرت سے سوچا۔

یہ تو میرے حسن اور تعلیم کی توجہ سے کوئی فقیر دو ٹکے کا کرائے دار اور معمولی موٹر ملینک مجھ سے محبت کرے۔ اور پھر ذلیل انسان نے کتنی بڑی جرأت کر ڈالی۔ وہ اپنے روم میں کھتی ہوئی اس کو برا بھلا کہتی رہی۔ کھلے کے پڑے پڑے کرنے کے باوجود غصہ ختم نہیں ہو رہا تھا۔ اس کا جی چاہتا تھا ابھی جا کر خرم کو زندہ یا یاد اے۔ ذلیل محبت کرتے وقت اپنی لوقات بھول گیا۔ میں بہت اچھا موٹر ملینک ہوں لوہہ۔

یہ بات لکھی جیسے بہت بڑا لڑکھن میں یا تا جڑ تھا کسی اچھے عہد پر۔ فائز تھا۔ فقیر ذلیل پڑ نہیں وہ کتنی رات گئے تک اس کو گالیاں دیتی رہی کوئی رہی پھر بے بس اور تھک ہار کر بستر پر گر گئی۔ اگلی صبح وہ دیر سے جاگتی تھی۔

کرن اسکول جا چکی تھی اور ملاں تخت پوش پر بیٹھی سبزی داری تھیں۔ امام کو دیکھ کر انہوں نے کہا۔

”آج اپنا تاش میں نہیں خودی بنانا ہوگا۔“

”جی اچھا۔“ کہہ کر امام نے پوچھا۔ ”بھائی بھائی اٹھ گئے ہیں کیا ان کے لیے بھی تاش بنانا ہے؟“ یہ امام نے اس لیے پوچھا تھا کہ سب سے آخر میں وہ دونوں ہی اٹھتے تھے اور اکثر ان دونوں کا تاش لہدی ہوتا تھا۔ ”ماں باپ تو اس وقت سبزی لینے جا چکی ہوتی تھی یا پھر محلے کا چکر لگانے کے محلے والوں کی روز خیریت معلوم کرنا ملاں اپنا فرض ہی سمجھتی تھیں۔ خاص کر سرسبزین کے گھر تو ضرور کو آتی تھیں۔“

”آج ان کا تاش بنانا ہے کی ضرورت نہیں۔ وہ جلدی اٹھے تھے کیونکہ تہاری بھائی کو نیک بھلا تھا وہ تاش کر کے چلے گئے۔“ ماں نے مڑھٹے ہوئے کہا تو امام کچن میں چلی آئی۔ رات قیہ اور کھانا کھاتے تھے۔ ابھی بھی کھوڑا سا سان بھارہ تھا یا پھر بطور خاص ملاں نے اس کے لیے بھایا تھا کہ اس کو آلو قیہ۔ بعد پند تھا۔ امام نے ایک طرف جانے کا پانی رکھا اور دوسری طرف تو اور درمیانی حصے کو لیے پھر فرنگ سے دو لٹے نکال کر بول کر کے لیے رکھے۔ یوں پڑھا لٹے۔ چائے ایک ساتھ تیار ہو گئے۔ امام نے لٹے کے کھلے انار کر سامن میں ڈالے۔ چائے فلاسک لوڑ۔ میں تاش کر کہ ملاں کے پاس آئی اور وہ ان کے قریب بیٹھ کر تاش کرنے لگی۔ ابھی اس نے ایک دو لٹے لی لیے تھے کہ ایک عورت دستک دیتی ہوئی اندر چلی آئی اور ملاں نے اس کو دیکھتے ہی بڑی محبت اور مروت سے کہا۔

”اے آپ! آئیں آئیں۔“ اور قریب آنے پر ملاں نے اس عورت کو اپنے قریب تخت پوش پر بٹا دیتے ہوئے کہا۔ ”نہیں۔“ اور عورت نے ملاں کے قریب بیٹھ کر ہاتھ میں پکڑی پلیٹ ان کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔

”آپ کی بیٹی کل چاول دینے گئی تھی تب میں گھر میں نہیں تھی۔ میرا بیٹا تاش کر رہا تھا کہ بیڑھیوں میں ہی چاول والی پلیٹ اس کو دے کر فوراً لوٹیں چلی گئی۔ میں نے سوچا میں خود جا کر پلیٹ دے دوں اور یاد رکھنے پر شکر بھی کہہ آتی ہوں۔“

”خود اس قدر بھوت۔“ امام نے چونک کر عورت کو دیکھتے ہوئے سوچا پھر غصے سے سر جھٹک کر تاش کرنے لگی تو ملاں نے کہا۔

”امام! تاش کرنے کے بعد خالہ کے لیے چائے بنانا۔“

”اور پھر زبردل کر لے آنا۔“ امام نے اس کے بیٹے کا رویہ سوچتے ہوئے غرت سے سوچا۔

”آپا چائے رہنے دیں۔ آج خرم دیر سے اٹھا تھا۔ اس لیے ابھی ابھی تاش سے فارغ ہوئی تھی۔“ اس عورت نے جلدی سے کہا پھر خودی بتانے لگی۔ ”پہلے ہم لوگ کوڑا نوالہ میں رہتے تھے۔ میرے سارے والے اور نیکے والے ہیں کہ رہنے والے ہیں۔ میری شادی ہوئی۔ شوہر بے حد اچھا تھا پھر انہوں نے ہوگئی۔ ابھی میری کوڑ میں دوسرا بیٹا تھا جب میرا شوہر ایک ایکسٹنٹ میں مارا گیا۔ یہ صدمہ میرے لیے بہت بڑا تھا۔ شادی کو ابھی سال ہی کتنے ہوئے تھے پھر بچے بھی دو ہی تھے۔ ایک بیٹی ایک بیٹا کہ میں بیوہ ہوگئی۔ ماں باپ فوت ہو چکے تھے۔ بھائی اپنے اپنے گھروں والے ہو گئے۔ بہن کوئی تھی نہیں لیکن میرا دل بہت اچھا تھا۔ اس نے مجھے گھر سے نکالنے کی بجائے ناصر گھر میں رکھا بلکہ پوری عزت اور احترام سے اپنے گھر میں رکھا۔ کوکھ مجھ سے سب نے کہا دوسری شادی کرلو۔ اتنی لمبی عمر تھا کیسے مسمروگی۔ بچے بڑے ہو کر بھی اپنے نہیں بنے گھر میں نے کسی کی نہ مانی اور دوسری شادی سے انکار کر دیا۔ وقت گزرنے لگا۔ میں شوہر کے غم کو دل میں چھپا کر اپنے بچوں کے ساتھ فی خوشی زندگی گزارنے لگی مگر ابھی اللہ تعالیٰ کو میری اور آزمائش کرنی تھی۔ بیٹی بیٹے سے بڑی تھی۔ دس سال کی ہوئی تو ایک روز اپنا تک بھارہ بیوہ بعد میں بڑا گیا اور وفات ہوگئی۔ وہ عورت بات اور دلی چھوٹ کر رونے لگی۔ ملاں نے انہیں افسوس کرنا ضروری سمجھا۔

”وہاں کہ ہے جو چاہے کرے۔ اس کے کاموں میں کوئی قیل و قیل نہ ہوتا ہے۔ ہم سب نے تم کو بھروسہ کیا ہے۔“ یہ سن کر وہ عورت اپنے دو بچے کے چلے سے آنسو پونچھتے ہوئے بولی۔ ”ہاں یہی سوچ کر کھلوہ نہ کیا کہ اس کی دی ہوئی چیز تھی۔ اس نے لے لی پھر کھلوہ کیا اور پھر اس رب سوچنے نے صبر بھی دے دیا۔ اب میری زندگی کی ہر خوشی کا شکر میرے بیٹے کی ذات تھی۔ بیٹا ابھی بڑا ہوا تھا اور وہ بڑا حریف تھا۔ میں بہت اچھا تھا۔ میرے بیٹے نے میٹرک میں پورے کوڑا نوالہ شہر میں بول پوزیشن حاصل کی اور وہ جڑیہ آگے بڑھنا چاہتا تھا مگر میرے دیوے نے کہا وہ جڑیہ بڑا حریف تھا۔ چھٹیں اٹھا سکا۔ اب شرم کوئی نہ کر سکے۔ اسل میں میرے دیوے کے اپنے بھی نوٹے ہیں۔ پانچ بیٹیاں اور چار بیٹے۔ میں نے اپنے دیوے کی بات مان لی کہ اس کے اپنے گھر کے شہرے بھی زیادہ تھے پھر وہ خودی میرے بیٹے کو بڑا میکانک کا کام سیکھ کر کٹاپ چھوڑ آیا جہاں اس کے اپنے دو بیٹے بھی کام سیکھ رہے تھے مگر میرا بیٹا ان سے زیادہ ذہین تھا۔ اس نے ان سے پہلے ہی یہ کام سیکھا لیا اور جب میرے بیٹے کا تھامہ تھوہا ہو گیا تو میرے دیوے نے اپنی بڑی بیٹی کا رشتہ میرے بیٹے سے کرنے کی خواہش کا اظہار کیا مجھ تو اس رشتے پر کوئی اعتراض نہیں تھا کہ مجھ پر میرے دیوے کے بہت احسانات تھے۔ اس نے نہ صرف مجھے اپنے گھر میں رکھا بلکہ پوری عزت و احترام سے رکھا تھا۔ شوہر کے نہ ہونے کے باوجود ہر کام ہمیشہ مجھ سے پوچھ کر کیا تھا مگر میں کیا کرتی جب میرے بیٹے نے ہی چچا کی بیٹی سے شادی کرنے سے انکار کر دیا۔“ اتنا کہہ کر وہ عورت چپ ہوئی تو ملاں نے پوچھنا ضروری سمجھا۔

”وہ کیوں بہن؟“

”آپا ہی اچھا بات تو یہ کہ میرا بیٹا بڑا حریف تھا اور لڑکی جتنی بڑا تھی۔“

”لوہہ خودی جیسے دم۔ بی۔ اے کر رکھا ہے۔“ امام نے تاش کرنے کے بعد اب آہستہ آہستہ چائے کے سیپ لے رہی تھی دل ہی دل میں غرت سے سوچا جب کہ عورت کہہ رہی تھی۔

”آپ نے میرے بیٹے کو نہیں دیکھا ماما اللہ وہ بہت خوب صورت ہے۔ جب کہ لڑکی تھی اور تھوہی چھوٹا سا پھر میں نے بھی مام سے تھے۔ خیر میں نے پھر بھی لڑکے کو منانے کی بے حد کوشش کی چچا کے احسان یاد کرانے سے گریباں نہ ہونے کی وجہ سے چچا کے لاڈ پیار کی وجہ سے جو شرم سے بے حد ضدی ہے جو کہہ دیتا ہے وہی کر بھی دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میری منت و حاجت کے باوجود نہ مانا تو میں نے اپنے دیوے کو اپنے کمرے میں باکر ساری بات بتادی کہ مجھے کوئی اعتراض نہیں تھا ہر سے بھی تو کسی کو آہی تھا بہتر تھا کہ بیٹی ہی اتنی عمر تھا کہ ابھی بیا نہ مانے تو میں کیا کروں؟ میرا دیوہ اچھا تھا اس نے میری بات اور مجبوری سمجھ لی مگر میری دیوہانی خرم کے انکار کے بعد رکھائی سے بات کرنے لگی۔ بیٹی اس کی جو پہلے میری بہت عزت کرتی تھی مجھے خود سے کوئی کام نہیں کرنے دیتی تھی جے رشی سے باتیں کرنے لگی۔ اپنے بیٹوں کو میری دیوہانی نے نہ مانے کیا کیا پٹیاں پڑھا کیں کہ وہ بھی خرم سے لکھے ہوئے کچے لکھے بیٹے میں بات کرنے لگے۔ ایک دن دونوں بھائی میرے بیٹے سے لڑنے لگے۔ اور ورکشاپ کے اندر خرم کے ساتھ ہاتھ پائی کرتے ہوئے جنا دیا کہ ہمارے لکھوں پر لکھے والے میں ہی آنکھیں دکھاتا ہے۔ میرا بیٹا اسی وقت کام چھوڑ کر گھر آ گیا یہ کہہ کر میرے باپ کے حصے کی جو وہ ایک بڑا زمین ہے وہ میری کھائی اور بڑا حریف تھا میں رکھ لو پھر چچا کے آنے سے پہلے ہی مجھے لے کر یہاں آ گیا اور اب یہاں گھر میں بے جا کہہ بیٹھا ہے۔ گھر تو ہوں گا بے کر یہ چند ماہ بعد وہ دس گئی تو کوئی بات نہیں مگر روٹی پانی کا کھڑے کہاں سے آئے گا۔ سارے کوڑا نوالہ میں میرے بیٹے جیسا کوئی موٹر ملینک نہیں اور یہاں لاہور میں کوئی اس کو پوچھتا نہیں۔ میں کہتی ہوں بیٹا ابھی کچھ نہیں گزرا ہم واپس چلے جاتے ہیں پر آج وہ بہت ضدی ہے مانسی نہیں۔“ عورت چپ ہوئی تو ملاں نے کہا۔

”اے بہن! اگر تمہارا بیٹا موٹر ملینک بنے تو اب تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ میرا شوہر بھی موٹر ملینک ہے۔ میں آج ان سے کہتی ہوں وہ ضرور کہیں نا کہیں تمہارے بیٹے کو لگا دیں گے یا وہ سکتا ہے اپنی ورکشاپ میں ہی کہیں رکھ لیں۔“

”اگر یہاں ہو جائے تو میں ساری زندگی تمہارا احسان یاد رکھوں گی۔“ عورت نے کہا تو ملاں محبت سے بولیں۔

”لوہہ! اس میں احسان کی کیا بات ہے آخر انسان ہی انسان کے کام آتا ہے۔“ امام مزید کہانی سننے کے لیے وہاں بیٹھی نہیں تھی۔ برتن اٹھا کر کچن میں آئی اور منہ بناتے ہوئے سوچا کہ ملاں کی یہ عادت کبھی نہیں بد لے گی۔ ہر ہم سے غیر سے سے یوں ملتی اور باتیں کرتی ہیں جیسے صدیوں کی جان پوچھنا ہو۔ برتن صاف کرتے ہوئے بھی وہ اس عورت اور اس کے بیٹے کے بارے میں سوچتی رہی اور غصے سے کھوتی رہی۔ اگلی صبح وہاں شکر کرنے کے بعد اپنے لیے چائے بنانے لگی جب ملاں نے آواز دی۔

”امام! بیوی کو پک چائے کے ہمارے کدے جاؤ۔“ یہ سنتے ہی امام کا سواؤ آف ہو گیا اور اس نے براہ راست منہ بناتے ہوئے سوچا۔ ”صبح صبح کون منہ اٹھا کر آیا ہے؟ بہر حال چائے تو پھر بنا کر دینی تھی۔ اس نے چائے بنا کر وہ کپوں میں ڈالی پھر کپ بڑے میں رکھ کر ڈرائنگ روم میں آئی اور پردہ بناتے ہی موڈ آف ہو گیا۔ سامنے والے صوفے پر وہی بد معاش لڑکا بڑے منہ بانہ انداز میں لا کر قریب بیٹھا تھا۔ اس کی والدہ دوسرے صوفے پر ملاں کے قریب بیٹھی تھیں۔ امام دل ہی دل میں دانت پیستے ٹرے ملاں کے قریب پر لائی اور کھڑک کر جا ہی چا چکی تھی کہ ملاں نے ایک کپ اٹھاتے ہوئے کہا۔

”امام! اب دوسرا کپ سامنے بھائی کو پکھا دو۔“ وہ کچھ بھی کہنے کی پوزیشن میں نہیں تھی۔ ہونٹ سمجھنے کفرم کے قریب آئی اور منہ سے کچھ کہنے کی بجائے ٹرے اس کے سامنے



COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK

نے بھی اس کو پتہ تھا۔

”اچھا تو تمہارا ماع زنا درساؤں میں لکھی جانے والی کہانیوں اور نئی وی پر دکھائے جانے والے ڈراموں نے خراب کر رکھا ہے۔ تم اپنے لیے ایک نئی ہیر و پانتی ہو۔“  
 اور یہ حق تو رہا کہ کہانیوں و شوق سے پڑھتی تھی ہر وہ بیانیہ ہیر و پانتی جسے لکھی تھی۔ نئی ہیر و پانتی کا بے حد شوق و شہرت بات بات پر ہنسنے ڈھانے والا۔ اس کو اپنی گاڑی میں گھمانے والا بہت پر حاکم تھا اور بے حد ہیر بھی بے حد محبت کرنے والا جو لہجہ کے علاوہ کسی دوسری لڑکی کو آکھ لٹا کر بھی نہ دیکھے۔ صرف اور صرف اسی کا ہو کر رہنے والا۔  
 ابھی رات ہی تو اس نے نئی وی ڈرامے میں دیکھا ہیر و ہیر و کن کو ناصر ف اپنی گاڑی میں گھما رہا تھا بلکہ ڈیسروں شاپنگ بھی کرواتی تھی۔ اس کو سوچ میں گم و کیڈ کر خرم نے نظر یہ کہا۔

”دوسروں کو اپنی اوقات بتانے سے پہلے بند۔ کو اپنی اوقات اور حیثیت بھی ذہن میں رکھنی چاہیے۔“

”مجھے مشورے کی ضرورت نہیں۔“ نامہ نے غصے سے کہا۔

”مشورہ نہیں حقیقت یہاں ہاںوں اور سنو میں تم سے محبت کی ہے تو شادی بھی تم سے ہی کروں گا۔ صرف تم سے اور میں جو کہتا ہوں وہی کرتا بھی ہوں۔ تم ایک بار پھر میرے بارے میں سوچو۔ تم مجھ سے محبت کرو یا نہ کرو میں اب تمہیں چھوڑنے والا ہرگز نہیں۔ تم میری ہر صورت میری شانتی۔“ وہ اپنی بات ختم کر کے فوراً سامنے والے دروازے سے باہر نکل گیا اور اس کے جاتے ہی نسرین چائے کے کرندہ راگنی۔ و شہادت سے مکرری تھی مگر لہجہ کا تپاؤں کو موڈ و کیڈ کر خرم دہ گئی۔

”تم نے خرم کے کہنے پر دھوکے سے مجھے بلایا تھا۔ ذلیل اب میں کبھی تم سے بات نہیں کروں گی۔“ وہ دروازے کی جانب لپکی۔

”یار بلیز امیری بات سنو۔“ نسرین نے کچھ کہنا چاہا مگر نامہ اس کا ہاتھ جھٹک کر گھر آگئی۔ مارے غصے کے خون کھول رہا تھا۔ نامہ کا پی چادر ہاتھ اس ذلیل انسان کو قتل کر دے مگر کیسے؟۔ مگر آئی تو مٹھیں اپنا نام پورا کر کے بند ہو چکی تھی۔ وہ کپڑے نکالنے لگی تو ماں نے پوچھا۔

”کیوں بلایا تھا نسرین؟“

”تھاک تھوڑی کام۔“ کہہ کر وہ اپنے کام میں مصروف ہو گئی مگر نامہ خراب ہو رہا تھا۔ خرم کی حرکت کا سوچ سوچ کر وہ چاگل ہو رہی تھی اور یہ سب نسرین کی وجہ سے ہوا تھا۔

رات وہ اپنے روم میں بیٹھی رسالہ پڑھ رہی تھی جب نسرین کمرے میں داخل ہوئی اور اس کی چارپائی سے ذرا دور کھڑی ہو کر نامہ کو دیکھنے لگی اور نامہ نے اس کو دیکھنے کے باوجود نظر انداز کر دیا تھا۔ کچھ وقت یوں ہی گزر گیا پھر نسرین خود ہی اس کے قریب آئی اور پاس بیٹھتی ہی دونوں ہاتھ اس کے سامنے جڑ کر رکھا۔

”یار بلیز! معاف کرو غلطی ہو گئی۔ دہرا کبھی ایسا نہیں ہوگا۔ اب میں تمہیں کیا باتوں میں نہیں لے جاتا زیادہ مجبور کیا مجھے کہ میں اس کی بات ماننے پر مجبور ہو گئی۔ وہ کہتے ہیں انہیں تم سے سچی محبت ہو گئی ہے بلکہ عشق ہو گیا ہے۔ مجھ سے ان کی یہ حالت دیکھی گئی۔ اس لیے یہ غلطی ہو گئی تم تو میری نکلی ہو۔ بلیز معاف کرو۔ میری مجبوری مجھ کو دیکھو پڑا ہوا تھا۔ اللہ کے لیے معاف کرو۔ یار اب معاف بھی کرو ورنہ گئی میں ہاتھ جوڑے جوڑے ذرا جلدی کرو۔“ اور نامہ کو ہنسی آگئی مگر دوسرے ہی لمحے اس کے چہرے پر گہری تنہید تھی۔ اس نے نسرین کے ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔

”معاف کر دیا مگر یاد رکھنا وہ بارہا ایسی غلطی نہیں ہونی چاہیے اور اپنے اس بھائی کو میری طرف سے کہہ دینا۔“

”یار اب یہاں نہیں ماموں ہیں۔ امی کے پتھر پوزو بہن کے بیٹے ہیں۔“ نسرین نے جلدی سے وضاحت کی۔

”اچھا اچھا جو بھی کی کہہ دینا کچھ میری راستہ روکنے یا بچونے کی کوشش کی تو اچھا نہیں ہوگا۔ منہ قیاموں کی میں اس کہنے کا ہونہ مجھ سے شادی کرے گا وہ نکلے گا سوڑ ملکینک۔“ اور اس کا اچھا سوڈ و کیڈ کر نسرین نے چیمیز باصروری سمجھا۔

”یار ماموں نے تمہیں چھوڑا تھا؟“

”فضول بکواس مت کرو جو کہا ہے وہ اس کو کہہ دینا۔“ نامہ نے غصے سے کہا۔

”اچھا ٹھیک ہے کہہ دوں گی مگر ایک بات تو بتاؤ ماموں میں کی کیا ہے؟ کتنے خوب صورت ہیں میرے ماموں اچھے لہجے سے۔“

”تو پھر تم ہی کرو شادی اگر اتنی ہی اچھے لگتے ہیں۔“ نامہ نے نفرت سے کہا تو نسرین جلدی سے ہوئی۔

”کیا کبھی ہونمیرے ماموں میں اورو لیے بھی محبت تو وہ تم سے کرتے ہیں پھر شادی مجھ سے کیسے کر سکتے ہیں؟“

”مجھے کسی دو نکلے کے کرائے دار اور سوڈ و ملکینک سے شادی نہیں کرنی تم اچھی طرح جانتی ہو میرے خیالات کو اور تمہارا لگا ہوا نہیں۔“ نامہ کے لہجے میں ناکاری تھی۔

”بے شک نکلے ماموں نہیں مگر ان کو سٹو سے زیادہ لگا جھکتی ہوں۔ تمہیں معلوم تو ہے میرا کوئی۔ لگا ماموں میں میری ناؤ کی صرف سات بیٹیاں تھیں۔ باقی رہے تمہارے خیالات تو میں جانتی ہوں بہت اچھی طرح مگر پسند بھی نہیں کیا۔ ضروری نہیں جو ہم چاہیں ہمیں مل بھی جائے جو جو ہیں ویسا ہو بھی جائے۔ انسان کو حقیقت پسند ہونا چاہیے۔“ نسرین نے ہمت کر کے کہہ دیا۔

”بیٹھنے پر وگرم ہے یا دھکا دے کر گر دوں نیچے؟“ نامہ نے گھورتے ہوئے کہا تو نسرین اٹھتے ہوئے ہوئی۔

”میں جا رہی ہوں تمہیں کچھ بھی کرنے کی ضرورت نہیں۔“ وہ دروازے کی جانب بڑھی تو اللہ نے کہا۔

”میرا پیغام یاد دے اپنے ماموں کو دے دینا۔“ وہ نسرین جو دروازے کے قریب پہنچ چکی تھی شہادت سے ہوئی۔

”بیٹا جانتا میں دے دوں گی مگر وہاں والے ہرگز نہیں۔ لکھتی لوادہونے کی وجہ سے بہت شدید ہیں جو ایک بار کہہ دیں وہی کرتے بھی ہیں۔“

”تم جانتی ہو یا۔“ نامہ نے جبکہ کہا تو نسرین ہنستے ہوئے دروازہ چار گئی اور نامہ ایک بار پھر خرم کی بے شری کے بارے میں سوچنے لگی۔



کالنج چنیاں ہونے کی وجہ سے وہ اپنی مرضی سے لیت جیتی تھی۔ جب سب گھر والے ناشتہ کر چکے ہوتے لہو رکشاپ ہو کر ان اسکول جا چکی ہوتی تھیں۔ وہ اپنا ناشتہ خود بناتی اور مزے سے کرتی۔ سارا دن میوزک سنتے ہوئے اور سارے پڑھتے اور آدھی رات تک نئی وی دیکھتے گزر جاتی مگر آج اس کو کالنج جانا تھا۔ وہ نامہ سے کافی پہلے ہی اٹھ گئی تھی۔ لہو کبھی رات سونے سے پہلے بتا دیتا تھا کہ کل سے کالنج جو ان کرے گی۔ وہ صبح اس کو کالنج چھوڑ کر ورکشاپ جائیں اس وقت وہ اپنے کمرے سے نکل کر کچن میں آئی تو ماں اس کے لیے پڑھا ہوا کچن تھی اور پرانے کے ساتھ بیاز اور ہنرمیں میں کچے لٹے۔ اور اس پر گرم چائے۔ نامہ کو لٹے۔ ہر شکل میں اچھے لگتے تھے۔ ملکیت ہو یا سامان میں ڈالے گئے اگلے ہوئے لٹے۔ خاص کر بیاز اور ہنرمیں میں ناے لگے لٹے۔ اسے بے حد پسند تھے۔ اس نے پورے اطمینان سے ناشتہ کیا پھر اپنے کمرے میں چلی آئی۔ یہ پیغام پہنچنے کے بعد پاؤں میں کوٹ شوز پہنے بیک کاندھوں پر ڈالا اور فکل ہاتھ میں پکڑا۔ روم کا دروازہ بند کر کے ابو کے پاس آئی۔ وہ ابھی انبار پڑھ رہے تھے نامہ کو دیکھتے ہی بولے۔

”تیار ہو گئی ہے اماری بیٹی۔“ اور نامہ پر اس رکھ کر فوراً اٹھ گئے نامہ کو کھنڈا اٹھ کر کہا کہ باہر آئی تو یک دم موڈ آف ہو گیا کہ باہر گاڑی کے قریب خرم کھڑا تھا۔ ابو کو دیکھ کر خرم نے فرخت ڈور پوچھ کیا تو نامہ نے آہستہ سے پوچھا۔

”ابو! کیا بھی ہمارے ساتھ جائے گا؟“ نامہ نے جتنی آہستگی سے پوچھا تھا۔ ابو نے اتنی ہی اونچی آواز میں بتایا۔

”خرم روڑ میرے ساتھ ہی جاتا ہے تم تھو۔“ پھر خرم سے کہا۔ ”دروازہ کھولو۔“ خرم بڑے متوجہ انداز میں نظریں جھکا کر نامہ کے قریب آیا اور دروازہ کھول کر بڑے اوب سے کہا۔

”مٹھیں۔“ نامہ کا بیٹھنے کا سوڈ نہیں تھا مگر فوراً انکار کا کوئی جواز بھی نہیں تھا۔ لہاے تو اب رات کو ہی بات ہو سکتی تھی۔ وہ دانت قہقہے ہوتی بیٹھ گئی اور خرم دروازہ بند کر کے ڈرائیو تک سیٹ پر آ بیٹھا۔ بیٹھتی ہی نہ صرف گاڑی چلا دی بلکہ ساتھ بڑے اوب سے پوچھا۔

”استاد! کون سے اسکول جانا ہے؟“

”اسکول نہیں کالنج۔ میری بیٹی کالنج میں پڑھتی ہے۔“ نامہ نے فخر سے بتایا تو خرم حیرت بھر سے لہجے میں بولا۔

”اچھا کالنج میں تو سمجھتا تھا اسکول۔“ دانستہ بات اور صوری چھوڑ کر وہ ناموش ہو گیا۔ وہ شاید نامہ کو خوش کرنا چاہتا تھا مگر اس کو یہ سب سن کر بے حد غصہ کیا کہ خرم کو اچھی طرح معلوم تھا کہ وہ کالنج میں پڑھتی ہے۔ وہ نسرین سے نامہ کے بارے میں ایک ایک بات پوچھ چکا تھا۔ یہ بات وہ نسرین نے اس کو بتائی تھی۔ نامہ نے غصے میں کھولتے ہوئے خرم پر اک ٹکڑہ ڈالی۔ وہ جھڑوا سکرین سے باہر دیکھتے ہوئے بڑی شرافت سے گاڑی چلا رہا تھا۔ ایک بار بھی نظر اٹھا کر نامہ کی طرف نہیں دیکھا تھا۔ شاید گاڑی میں بیٹھے استاد کو اپنی شرافت کا ثبوت دینے کے لیے۔ کالنج آیا تو خرم نے گاڑی روک دی۔ نامہ نے دروازہ کھول کر باہر دھڑوا دیا اور دوسرا دروازہ چیک کیا تو وہ بھی لاک تھا۔ وہ دل میں سمجھ گئی کہ خرم کی شرافت ہے مگر کیوں اس سے اس کو کیا ملے گا؟

”کیا بات ہے نامہ؟“ نامہ نے اس کو تڑپتے ہوئے دیکھ کر پوچھا۔

”ابو! دروازہ نہیں کھل رہا۔“ نامہ نے بتایا۔

”دوسرا کھول لو۔“ نامہ نے کہا تو خرم بولا۔

دوسرا لاک ہے۔ وہ نہیں کھلے گا میں دیکھتا ہوں۔“ پھر وہ دروازہ کھول کر باہر آیا اور ذرا سی کوشش سے دروازہ کھول دیا۔ نامہ جلدی سے باہر نکلی تو وہ فوراً خود دروازہ بند کر کے بڑی شرافت سے نظر جھکائے وہ اب اس جا کر ڈرائیو تک سیٹ پر بیٹھ چکا تھا۔ نامہ نے رومی طرح خدا حافظ کہا مگر وہ جوا بھند خدا حافظ بھی نہ کہہ سکی۔ مارے غصے کے دل ہی دل میں خرم کو برا کہا کہ کالنج کی عمارت میں داخل ہو گئی۔

آدمیوں کالنج میں گزرنے کے باوجود وہ تو اس کا سوڈ درست ہوا تھا۔ ہاتھ سے درخت ہوا تھا۔ خرم سے زیادہ اپنی ماں پڑھتا تھا۔ انہوں نے ہی لاس خرم کی سفارش کی تھی۔ وہ گھر آئی تو ماں گھر پر نہیں تھیں۔ معلوم ہوا ناکی طبیعت ٹھیک نہیں وہ ان کو دیکھنے لگی ہیں۔ بھائی نے اس کو دیکھتے ہوئے کہا۔



”تم لباس بدل کر آؤ۔ میں تمہارے لیے کھانا لے کر آتی ہوں۔“ وہ جواب دینے بغیر اپنے روم میں چلی آئی۔

رات کو وہ سوچتی تھی جب لا خود بھی نانا کی عیادت کرنے کے بعد ملاں کو ساتھ لے کر آئے تھے اس لیے بات نہ ہو سکی۔ صبح یونی ٹام پر لیس کرنے کے بعد ناشتہ کرنے چکن میں آئی تو لا حسب معمول اخبار دیکھ رہے تھے۔ ملا نے ان کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔

”لا! مجھے اس مگر کے ساتھ کالچ نہیں جانا۔“

”ساتھ میں خود بھی تو ہوتا ہوں۔“ لا نے اخبار سے نظریں ہٹائے بغیر جواب دیا۔

”ابوئی! مجھے صرف آپ ہی کے ساتھ جانا ہے۔ آپ اس مگر کے کوہدیں۔ دووین میں چلا جایا کر۔“ مجھے برا لگتا ہے۔ اس کا ساتھ ہونا اور اگر آپ نے اس کو ضروری ساتھ لے کر جانا ہے تو پھر مجھے وین لگوا دیں۔“ ملا نے آخر میں گویا دھکی دی جواز کر گئی۔ لا نے اخبار ایک طرف رکھتے ہوئے بیٹی کو دیکھا۔ گویا رضامندی۔ دی۔

”اچھا ٹھیک ہے۔ میں خرم سے کہہ دوں گا کہ دووین میں آ جایا کر۔ کہہ دے کہ یہ میں اس کو دے دیا کروں گا۔“

”بیٹی نے کہا اور آپ نے بغیر سوچے کچھ مان لیا۔“ شیم پیجے آپ وین میں جانے کا کہیں گئے اس کا دل ٹوٹنے کا کہ وہاں سے تو اپنے ساتھ لے کر جا رہے تھے اب محض اپنی بیٹی کی وجہ سے وین میں جانے کا کہہ رہے ہیں۔ اس کا دل ٹوٹنے کا۔ ہم پر آہن۔ گی۔ خوف کو کسی کی آؤ نہیں لینی چاہیے۔ وہ بھی آپ کے ساتھ ہی جایا کرے گا۔“

ملا نے ناشتہ ملا کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔

”اگر اس کو وین میں نہیں بھیجتا تو پھر مجھے وین لگوا دیں۔“ ملا نے منہ میں کہا۔

”مگر تمہیں اس کے ساتھ کیوں نہیں جانا چاہیے؟“ ملا نے پوچھا تو ملا نے تیزی سے کہا۔

”میری مرضی۔ اب لا تو وہ ابو کے ساتھ جانے لگایا میں۔“

”اگر یہی تمہاری ضد ہے تو ٹھیک ہے پھر تمہیں وین لگوا دیں گے۔“ ملا نے لا کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔ اب کے لا خاموشی رہے۔ یہ خاموشی ملاں کی بات سے اتفاق تھا۔ ملا نے منہ سے ناشتہ ویسے ہی چھوڑ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ لا نے یہ دیکھا تو کہا۔

”ملا! بیٹی لانا شہید کرلو۔ اس میں ناشتہ کا کیا قصور؟“ مگر ملا نے جواب دینے کی زحمت کو اڑ نہیں کی تھی۔

سیدھی اپنے روم میں آئی۔ بڑا رات سے تو ڈریس اپ ہوئی اور جب باہر آئی لا جو ابھی تک ملاں کے پاس بیٹھے باتوں میں مصروف تھے ملا کو دیکھتے ہی اٹھ کھڑے ہوئے۔ وہ چپ چاپ لا کے ساتھ باہر آئی جہاں خرم گاڑی کے قریب پھر نظریں چمکائے منوہا بانکھڑا تھا۔ لا نے کہا۔

”خرم پچھلا دروازہ کھولو۔“ قبل اس کے خرم دروازہ کھولنا ملا نے بدتمیزی سے چیخ کر کہا۔

”مجھے آپ کے ساتھ گاڑی میں نہیں جانا۔“ پھر وہارے منہ سے کچھ بچ کر خرم اٹھ کر دوسری جانب مڑ گئی۔

لا کو سمجھے تھے وہ ان کے ساتھ باہر آئی جتنوں کے ساتھ ہی گاڑی میں جانے لگی۔ انہوں نے خرم کو دیکھا جو منوہا کھڑا ان کے حکم کا منتظر تھا۔

”چیلیم جینو۔“ انہوں نے خرم سے کہا اور خود بھی دروازہ کھول کر بیٹھ گئے۔ تاہم وہ ملا کے اس رویے سے حقوڑے پریشان ضرور ہو گئے تھے۔ ان کے پیٹھے ہی خرم نے گاڑی پکڑ لی۔ وہ مڑک کے کنارے تیز تیز جا رہی تھی۔ خرم کا دل چاہا گاڑی اس کے اوپر چڑھا۔ اچھی طرح سمجھ گیا تھا کہ محض اس کی وجہ سے گاڑی میں نہیں بیٹھی۔ تاہم مجبوری یہ تھی کہ ساتھ استاد تھے اس لیے وہ ہونٹ سمجھتی کر اس کے قریب سے گزر گیا۔ ملا نے بھی اس کو اپنے قریب سے گزرتے دیکھا اور منہ سے کھولتے ہوئے سوچا۔

”ملاں لا نے میری بات نہیں مانی تو کیا ہوا میں خود خرمین سے کہہ دوں گی وہ اپنے ماموں سے کہہ دے کہ وہ وین سے چلا جایا کرے۔ مجھے گاڑی میں کالچ جانا ہے اور اس بدتمیز کے ساتھ ہونا مجھے پسند نہیں۔“ لا نے ٹھیک ہے۔“ اس نے سوچا اور پرسکون ہو گئی۔

وہ پھر کو وہ گھڑائی اور ایک قافل اپنے روم میں چھوڑ کر سیدھی سرین کے گھر آئی تاکہ پہلے اپنا مسئلہ حل کرے۔ ملاں نے پوچھا۔

”آئیے ہی کہاں چلی وہ پہلے کھانا تو کھا لو۔“ اچھی طرح جانتی تھیں کہ صبح اس نے منہ میں ناشتہ نہیں کیا تو کالچ میں بھی کچھ نہ کھایا ہوگا مگر ملا نے سنی ہی کرتے ہوئے باہر نکل آئی۔ وہ سرین کے گھر آئی تو وہ ہمیشہ کی طرح سامنے والے کمرے میں بیٹھی ہاتھ میں فریم تھا سے کڑھائی کرنے میں مصروف تھی۔ پاس ہی منیر بھائی کی بیوی بیٹھی باتیں کر رہی تھیں۔ ملا کو دیکھتے ہی شانہ بھائی نے مسکرا کر کہا۔

”ارے ملا! آؤ۔۔۔ آؤ۔۔۔ دونوں بعد آئی ہو اور لگتا ہے کالچ سے سیدھی ادھر ہی آری ہو۔“

”ٹھیک سمجھا آپ نے۔“ ملا نے زبردستی مسکرائی۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ بھائی اس وقت سرین کے پاس ہوں گی۔ شانہ بھائی کا بیڈ روم گھر کے پچھلے حصے میں تھا اور وہ گھر کے کام کاج سے فارغ ہوں باقی وقت اپنے بیڈ روم میں اپنے بیٹے کے ساتھ گزارتی تھیں۔

”اگر یہ بات ہے تو پھر تم جینو میں تمہارے لیے کھانا لے کر آتی ہوں۔“ شانہ بھائی اٹھتے ہوئے بولیں۔

”کھانا کی ضرورت نہیں۔ میں اس سرین سے چھوٹی سی بات کرنے آئی ہوں۔ ملاں کھانا کال رہی تھیں میرے لیے۔ آپ سنا کیوں کسی ہیں؟ اسلئے کیسا ہے؟“ ملا نے پوچھا۔

”میں ٹھیک ہوں۔ اسلئے ابھی ٹھیک ہے اگے ماہ سے وہ اسکول جانا شروع کر دے گا۔“ بھائی نے بتایا پھر کہا۔ ”تم سرین سے باتیں کرو میں اپنے بیڈ روم میں جاتی ہوں اسلئے ابھی اب اٹھنے والا ہوگا۔“ اور جب وہ چلی گئی تو سرین نے جو اس کو بوند کچر دی تھی ساتھ سے فریم رکھ دیا اور بڑی تنہائی سے پوچھا۔

”خیر یہ ہے؟“ نظر ماک اڑا دے مگر رہے ہیں۔ کس کے قتل کا پروگرام ہے؟“

”جب تک تمہارے وہ منوس ماموں یہاں ہیں تب تک خیریت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اسے کاش میں اپنے ہاتھوں سے اس کو قتل کر سکتی۔“ ملا نے نفرت سے کہا مگر سرین نے جیسے شای نہیں کیے گئی۔

”ملا! میں نے تمہارا پیغام ماموں کو دے دیا اور پیغام مننے کے بعد ماموں نے کہا۔ ملا سے کہنا مجھے اس کا کہا تانے کی ضرورت نہیں۔“ ملا نے ناگوارگی سے اس کی بات کاٹ دی تو سرین نے ٹٹلی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

”نہیں! مجھی یہ تو پھر بے ایمانی ہو گئی اگر تمہارا پیغام پھر بولیا ہے تو ماموں کا بھی دوں گی۔“ لا تو ماموں کہتے تھے اس کو کہنا آپے میں رہے ورنہ دماغ درست کر کے رکھو یوں گا پھر یہ کہ اس کو اب تمہاری ممانی بنا کر ہی چھوڑوں گا۔ میں جو کہتا ہوں وہ کرتا بھی ہوں۔“

”ممانی کی پٹی۔“ ملا نے اس کو پکڑ لیا۔ سرین ہنسنے لگی تو ملا نے کہا۔

”اب میری بات غور سے سنو۔ کل یہ تمہارا ماموں مجھے کالچ چھوڑنے گیا تھا اور دروازہ بند کرتے ہوئے اس کہنے نے جان بوجھ کر دروازے میں کوئی خرابی کر دی۔ میری طرف سے اس کو کہنا مجھے گاڑی میں کالچ جانا ہے۔ وہاں تو کثرت کے مطابق وین میں ورکشاپ جایا کرے۔“ ملا نے حکم دینے والے لہجے میں کہا۔

”مگر ماموں کے ساتھ جانے سے تمہارا کیا جاتا ہے؟“ سرین نے حیرتی سے پوچھا۔

”مجھے اس کے ساتھ جانا پسند نہیں ہے۔ وہ بے اہل بالوں میں ڈال کر آتا ہے۔ بیرونی کمرہ سردی کا ہے۔ ہر کپڑے ہمیشہ گرمی کے موسم والے پہن رکھے ہوتے ہیں۔ کچھ میں نہیں آتا۔ اپنی کثرت کیوں بھول جاتے ہیں۔“ ملا نے نفرت سے کہا۔

”اور اگر ماموں نے تمہاری بات ماننے سے انکار کر دیا تو؟“ اب کے سرین نے تجویز سے کہا تو ملا نے نفرت بھرے لہجے میں کہا۔

”گاڑی اس کے باپ کی نہیں جو وہ انکار کرے گا۔ اور سوئوگر و گاڑی میں گیا تو پھر میں خود وین سے چلی جایا کروں گی مگر اس بد معاش کے ساتھ ہرگز نہیں جاؤں گی۔ یہ دیکھو میرا ہاتھ ابھی تک سرخ ہے اور درجہ ہوتا ہے اتنے زور سے دبا یا تھا اس نے اگر انگلیاں ٹوٹ جاتیں۔“

”اتنا بھی تازی نہیں کہ انگلیاں ٹوٹ جاتیں۔“ خرم منہ سے کہتا تھا کہ اس کی باتیں سن رہا تھا اب اندر چلا آیا۔ وہ کام والے گندے کپڑے پہنے ہوئے تھا۔ ملا کے قریب رکھا۔ اس نے غور سے اس کو دیکھا۔

”پھر کچھ بھی مجھ سے کہنے کی ضرورت نہیں۔ میں تمہاری ساری باتیں سن چکا ہوں۔ جواب ابھی مجھ سے اوتھو وین سے کالچ بلاؤ یا پیدل یہ تمہارا فی مسئلہ ہے۔ مجھے ہر حال استاد کے ساتھ گاڑی میں ہی ورکشاپ جانا ہے۔ باقی رہی گاڑی تو وہ اگر میرے باپ کی نہیں تو تمہارے باپ کی بھی نہیں۔ ورکشاپ والوں کی ہے۔“

”پھر ورکشاپ میرے لا کی ہے۔“ ملا نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

”ورکشاپ تمہارے لا کی نہیں ہے جس طرح وہاں میں لوگ رہیں ویسے وہاں تمہارے لا بھی لوگ ہیں۔“ خرم نے نفرت آمیز لہجے میں بتایا۔

”تو تم وین سے ورکشاپ نہیں جاؤ گے۔“ ملا نے ناہمی سے پوچھا۔

”نہیں۔“ خرم نے کہا تو ملا بولی۔

”اس کے باوجود تم کہتے ہو کہ تمہیں مجھ سے محبت ہے جب کہ محبت میں تو لوگ جمانے کیا کیا قربانیاں دیتے ہیں۔“ ملا کی بات سن کر خرم نے چونک کر اس کی طرف دیکھا پھر قریب کھڑی سرین کو دیکھ کر دھڑکا۔

”بھانجی! تم یہاں کھڑی کیا کر رہی ہو جاؤ پھر سے میرا کھانا لے کر آؤ۔ گاڑی نہاتے ہوئے آج ویسے ہی دیر ہو گئی تھی اپنی اور استاد کی روٹی لینے آئی ہوں۔“ سرین اس کے پروگرام سے بے خبر دوڑ کر لوپ بھائی مگر ملا۔ اس کا پروگرام سمجھ کر خود بھی تیزی سے سرین کے پیچھے لگی مگر خرم نے پھرتی سے اس کا راستہ روکتے ہوئے سرد لہجے میں کہا۔

”کیا پیغام دیا بھائی کو راستہ نہیں روکنا۔“ اس نے ملا کے بالوں پر چھوڑی لگاتے ہوئے زری سے کہا۔

”اب اپنے محبت والے سولہ کا جواب بھی لے لؤ تم میری محبت کا قہر اگر کو تمہاری قسم وین میں تو کیا میں پیدل ورکشاپ جاؤں گا۔“ اب ہی سرین میڈر جیوں سے





”خودی دیکھ لو کیسا بے باقی رہا کیا کرتا ہے؟ اس کی اپنی دکان ہے۔“ لمدہ نے تصور پر کبھی اور کبھی ہی رسی۔ یہ ایک ستائشیں برس کا گندمی رنگتہ والا خوب صورت نوجوان تھا۔

”دیکھنے میں تو خوب صورت ہے۔“ لمدہ نے تعریف کی پھر پوچھا۔ ”کتنے بھائی ہیں؟“

”تین بہنیں اور دو بھائی اور میرے والد سب سے بڑا ہے۔ ماں باپ دونوں زندہ ہیں اور بے حد اچھے لوگ ہیں۔ جانتی ہو کہتے ہیں وہ خاص پانچ وقت کا نمازی ہے۔ چٹنی والے دن مسجد میں پانچ وقت کی نماز دیتا ہے۔“ نسرین فخر سے تباری تھی۔

”نورتم نے شاید کبھی صبح کی نماز نہیں پڑھی۔“ لمدہ نے چھیڑا۔

”میں نہیں پڑھتی تو کم کون سی پڑھی ہو۔“ نسرین نے برلمان کر کہا۔

”جب کالج جاتی ہوں تو لازمی پڑھتی ہوں۔ خیر چھوڑو یہ بتاؤ مفتی میں کھانا کیا دے رہے ہو اور دوسرے کتنے لوگ آ جا رہے ہیں اور کیا کیا لار ہے ہیں؟“ لمدہ نے پوچھا۔

”جو پھر گھر کے لوگ ہی آ رہے ہیں۔ سادگی سے رسم ہوئی اور کیا کیا لار ہے ہیں یہ ان کے لانے کے بعد ہی پتہ چلے گا۔ ارے ہاں لڑکے کی نانی بھی ساتھ ہوئی۔ امی نے سب کو سوٹ دینے کا فیصلہ کیا ہے اور کھانا گھر پر ہی دوپارہ شہر نہ لائیں گے۔ تم بھی آتا میرا اور بھائی کا ہاتھ بنانے کو۔ وہ لوگ تو رسم کے لیے رات کو آئیں گے اور تمہارا اس وقت میرے پاس ہونا بے حد ضروری ہے۔“

”یارا تمہارا سبب معاش ماموں کی وجہ سے مفتی کی رسم میں نہیں آتا ہاں کل تمہارے ساتھ ضرور چلوں گی۔“ لمدہ نے صاف انکار کیا تو نسرین بولی۔

”لمدہ مفتی والے دن تو سب ہی لوگ گھر پر موجود ہوں گے۔ ماموں تمہیں کچھ بھی نہیں کہیں گے دیکھو یہ میری زندگی کی اہم خوشی ہے پلیز ماموں کو بھول جاؤ۔ دیکھو تم ہی تو میری اکلوتی کنبلی ہو۔“

”اچھا ٹھیک ہے آ جاؤں گی۔ باقی اب تمہارے ماموں مجھے کچھ کہہ کر تو دیکھیں کس کتنے مار دوں گی اس کے منہ پر اور آئیں نکال لوں گی۔“ لمدہ نے غصے سے کہا۔

”وہ کہے کہے۔ تم ماموں کے ساتھ جو بھی سلوک کرو یہ تمہارا ذاتی معاملہ ہے مگر آنا ضرور۔“ نسرین نے اس کو آنے کی مزید تاکید کی پھر وہ کنبلی پر بیٹھی اپنے ہنگیر کی باتیں کرتی رہی یہاں تک کہ شام چھٹی پر آتی تھی جب وہ اپنے گھر گئی اور لمدہ وہیں بیٹھی اس شخص کے بارے میں سوچنے لگی جس کے ساتھ اس کی اپنی شادی ہونا تھی۔ وہ نے کیا ہوگا؟ ماں نے شاید بھائی کی شادی کے بعد رشتے کرنے والی سے اگرچہ لمدہ کے رشتے کا کہہ دیا تھا مگر ابھی تک کوئی رشتہ نہیں لائی تھی۔ لمدہ یہی سب سوچتے سوچتے سو گئی۔ اگلے روز کالج سے واپس پر کھانا کھا کے بعد کے مطابق نسرین کے گھر آتی۔ نسرین بالکل تیار بیٹھی تھی۔ وہ اس کو ساتھ لے کر دیوٹی پارلر لے گئی تقریباً تین چار گھنٹے بعد فارغ ہو کر گھر آئیں تو خالید میراں باہر دروازے پر کھڑی تھیں۔ لمدہ ان کو سلام کر کے اپنے گھر کی جانب بڑھی تو انہوں نے کہا۔

”اب آئی ہو تو لہر آ جاؤ اور مفتی میں دینے والے سوٹ تو کبھی جاؤ۔“ لمدہ نے خرم کا سوچتے ہوئے انکار کرنا چاہا تو نسرین نے آہستگی سے کہا۔

”آ جاؤ یا ماموں تو رات نوبے آتے ہیں اور لمدہ بادل خواست لہر چلی آئی۔ خالید میراں نے ماموں کے ساتھ ساتھ یہ بھی بتاتی رہیں یہ سوٹ ساس کے ہیں وہی سر کے۔ ایک ایک نندہوں ایک ہی دیوڑھا پہنا جی ساتھ آ رہی ہیں اس کو بھی سوٹ دیتا ہے۔ باقی لڑکے کے لیے پانچ سوٹ ہیں۔ ایک تو لے لی کھنٹی ہوتا اور دوسری ضروریات کی چیزیں ہوتی ہیں وہ آج تمہارے میز بھائی لے آئیں گے۔ ارے ہاں ساتھ لیا رکھو مٹائی بھی کل لڑکے والوں کو دیں گے سب کچھ ہی بہت اچھا تھا۔ لمدہ نے تعریف کرنے کے بعد جانے کی اجازت چاہی تو نسرین نے کہا۔

”تم بیٹھو میں تمہیں مزے کی چائے بنا کر پلاتی ہوں۔“

”ابھی فیشل کرا کے آئی ہو آگ کے سامنے کھڑا ہونا اچھا نہیں۔ تم بیٹھو میں چائے بنا لاتی ہوں۔“ خالید میراں نے بیٹی سے کہا تو لمدہ کو بے حد شرم آئی اور اس نے اٹھتے ہوئے کہا۔

”خالد! آپ لو نسرین بیٹھیں۔ چائے آج میں آپ کو بنا کر پلاتی ہوں۔“ اور کمرے سے نکل کر کنبلی میں چلی گئی نسرین نے کہا۔

”آتے ہوئے ایک طرف میں رہتا ہوں وہ بھی چائے کے ساتھ لے آتا۔“ جواب میں لمدہ نے کبھی نہیں کہا تھا۔ چائے بنانے کے بعد اس نے کہوں میں ڈالی پھر تینوں کپڑے میں رکھے۔ ایک وہ بھول چکی تھی۔ وہ آخری کپڑے پر حق میں رکھ رہی تھی جب محسوس ہوا جیسے کوئی پیچھے آیا ہے۔ لمدہ کنبلی نسرین سے اس لیے ہوا۔ اٹھاتے ہوئے بولی۔

”میں بس آئی ہی تھی گئی۔“ اور جیسے ہی مڑی پیچھے خرم کھڑا اشارت سے مسکرا رہا تھا۔ لمدہ کا اس کو دیکھتے ہی موڈ آف ہو گیا اور اس نے سخت لہجے میں کہا۔

”دیکھو چھوٹا نہیں۔ آج تم نے مجھے چھوٹے کی کوشش کی تو یاد رکھنا یہ ساری چائے تمہارے اوپر گر آووں گی۔“

”اگر یہ اردہ ہے میں تو چلو آ کر دیکھتا ہوں۔“ خرم نے ہمارے ڈرنے کے مسخر کر کہا اور اٹھ کر نری سے اس کے ہاتھوں پر پھیرا۔ دوسرے ہی لمحے لمدہ نے چائے والی ٹرے اس کے کعبوں پر اٹھ دی۔ خرم کے ساتھ ساتھ لمدہ کے اپنے ہاتھوں پر بھی گری کہ وہ بھی قریب ہی تو کھڑی تھی۔ ہاں البتہ خرم کے پاؤں پر زیادہ گری تھی بلکہ پاؤں کے ساتھ ساتھ کچھ کچھ ہاتھوں پر بھی گری تھی۔ خرم کے دم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ ایسے گریز سے گئی مگر ایسا ہو چکا تھا۔ خرم نے ایک نظر اٹھتے ہوئے کعبوں پر اور ڈالی اور مسکرایا۔ دوسرے لمدہ کے پاؤں پر اگرچہ چائے کم گری۔ اس کے پاؤں کو دیکھ کر ختم ہوئی وہ منہ سے بے ساختہ چیخ نکلی۔ اس کی چیخ سن کر خالید میراں اور نسرین ایک ساتھ دوڑی آئیں۔

”کیا ہوا لمدہ کو؟“ اور کنبلی میں لمدہ کے ساتھ خرم کو دیکھ کر نسرین کنبلی کی یہ ماموں کی کوئی شرارت ہے جب کہ خالید میراں کے پوچھنے پر لمدہ تو چپ رہی ہاں شرارت خرم کی تھی تو بات بھی خرم نے ہی سنبھالی تھی وہ بولا۔

”میں پانی پینے بہن میں داخل ہوا تو یہ چائے والی ٹرے اٹھا کر مڑیں تو مجھ سے ٹکرائیں۔ یوں چائے گر گئی ان پر کم کم مجھ پر زیادہ۔ آئی ایم سوری۔“ خرم نے لمدہ سے کہا۔

”نسرین اتم لمدہ کو اندر کمرے میں لے جاؤ۔ میں بھی جلدی کے اسٹور سے برنال لے کر آتی ہوں۔“ خالید میراں نے کہا باہر چلی گئی نسرین لمدہ کے ساتھ روم میں آئی تو پیچھے پیچھے خرم بھی آیا تو نسرین سے کہا۔

”تم ڈرنا باہر جاؤ مجھے لمدہ سے ضروری بات کرنی ہے۔“

”ماموں آپ دیکھ رہے ہیں اس کے پاؤں میں گئے ہیں۔ آپ باہر جائیں قس اس کے انی برنال لے کر آ جائیں۔“ نسرین نے کچھ برلمان کر کہا۔

”کنبلی کا خیال ہے ماموں کا نہیں جب کہ میرے سیر لمدہ سے زیادہ چلے ہیں اور کچھ کچھ ناگہم بھی اور سونپا ہے تمہاری کنبلی نے جان بوجھ کر مجھ پر گرائی تھی۔ پاس چوکا۔ خود بھی کھڑی تھی اس لیے یہ بھی مل گئی۔“ خرم نے بات ختم کر کے اس کو دیکھا۔ وہ چلنے کی وجہ سے پچوں کی طرح دوری تھی۔ کنبلی بات تو یہ ہے لمدہ کو روتے دیکھ کر وہ اپنی تکلیف بھول گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ ایسا کیا کرے کہ لمدہ کی یہ چلن اور تکلیف پاؤں فوری طور پر ختم ہو جائے یا اس کے اپنے وجود کا حصہ بن جائے یا نسرین ہی دوسرا ہر ہو جائے تو وہ اس کے پاس جا کر رہ جائے۔

”لمدہ اتم نے جان بوجھ کر ماموں پر چائے گرانی تھی؟“ نسرین نے ماموں سے اس کو دیکھا۔ لمدہ چپ رہی اور نسرین نے خرم سے پوچھا۔

”آپ رات نوبے آتے ہیں آج جلدی کیسے آگئے؟“

”لمدہ سے بات کرنے کے لیے مجھے خالید نے کہا تھا خرم کا رازی لے کر آنا سہ پہر میں لمدہ اور نسرین بیوٹی نے پارلر جانا ہے تو تم نے فوراً مجھے منع کر دیا کہ گاڑی کی ضرورت نہیں تم لوگ رکشے میں چلی جاؤ گی۔ میں نے سوچا ہو سکتا ہے آج لمدہ سے بات کرنے کا موقع مل جائے اب تم باہر جاؤ چلو تالاش جلدی کرو مجھے لمدہ سے ضروری بات کرنی ہے۔“ خرم نے کہا تو نسرین بولی۔

”میں اس حالت میں لمدہ کو اکبلی نہیں چھوڑ سکتی اور پھر امی بھی آ سکتی ہیں۔ آپ یہیں میرے سامنے بات کریں۔ اگر بہت ضروری بات ہے ورنہ اس کی حالت تو آپ دیکھ ہی رہے ہیں۔“

”لمدہ! میں نے تم سے جو کہا تھا مجھے اس کا جواب چاہیے۔“ خرم نے مزید وقت ضائع کرنے کی بجائے پوچھ ہی لیا۔

”میں نے مکمل کر پوری وضاحت سے بتا دیا تھا۔“ لمدہ نے چیخ کر کہا۔

”میں نے ایک بار پھر سوچنے کا کہا تھا۔“ خرم نے نرمی سے کہا۔

”میں سو بار بھی سوچوں گی تو میرا جواب یہی ہوگا بہتر ہے کہ تم میرا پیچھا چھوڑ دو۔ مجھے تم سے نفرت ہے شدید نفرت۔“ وہ روتے روتے بولی۔

”تمہارا پیچھا تو میں اب میرے کے بعد بھی چھوڑنے سے واپس نہیں دیکھو آخری موقع دے رہا ہوں ایک بار پھر سوچو اور مجھے جواب دو مگر زیادہ وقت ضائع نہیں کرنا۔“ خالید میراں کو آتے دیکھ کر وہ کمرے سے باہر نکلا تو خالید نے کہا۔

”تمہارے پاؤں زیادہ چلے ہیں لاؤ تمہیں بھی برنال لگا دوں۔“

”آپ پہلے ان کو لگائیں مجھے رہنے دیں۔“ کہتے ہوئے وہ میز جہاں چڑھ کر بیٹھا تھا۔ لمدہ اس پر چل پڑی۔ لمدہ اس وقت دیکھ کر حیران ہوئیں اور خرم نے بتایا۔

”کام نہیں تھا اس لیے جلدی آ گیا ہوں۔“ پھر دوسری چار پائی پر خود بھی لیٹ گیا اور لمدہ کے بارے میں سوچنے لگا۔ اس کا باپ ملکیٹک ہے بھائی ملکیٹک ہے اور اس کے خیالات آسان کو چھوڑ رہے ہیں۔ کیا کبھی ہے اس میں؟ جوان ہے۔ خوب صورت ہے۔ میسجنگ تک تعلیم بھی حاصل کی تھی عزت کی روٹی کمارا ہے۔ مگر وہ ایک ہی ضد پکڑے ہوئے تھی۔

”تم مجھے نہیں جانتی لمدہ کہ میں کتنا ضدی ہوں اور اب تمہاری یہ ضد تو ذکر ہی چھوڑ لوں گا۔“ اس نے سوچا پھر لمدہ کی آواز سن کر چڑکا۔ لمدہ اس کے قریب کھڑی پوچھ رہی تھیں۔

”چائے بنا کر لاؤں تمہارے لیے؟“

”ہاں! نہیں۔“ خرم کو چائے کی طلب ہو رہی تھی۔ ماں کے باہر جاتے ہی سرین برمال لیے کمرے میں داخل ہوئی۔ خرم نے اس کو دیکھا پھر پوچھا۔  
”لمدہ چلی گئی۔“

”جی وہ چلی گئی۔ انہیں اب آپ کے پاؤں پر بھی برمال لگا دوں۔“ سرین نے پاؤں کی جانب بڑھتے ہوئے کہا۔

”اس کی ضرورت نہیں۔ اس نے پاؤں پہلائے ہیں تو اس جلن کو برداشت کروں گا۔“ خرم نے پاؤں کیلئے کرکڑ کہا۔

”بچے نہیں۔ برمال لگانے دیں مجھے۔ آپ سے میں نے کہا بھی ہے وہ کہتی ہے اب مجھے چھوٹنے کی کوشش کی تو کس کر تھپڑ ماروں گی۔ آپ پھر بھی باڈنیں آئے۔ آپ نے ضرور کچھ کیا ہوگا جو اس نے چائے گرائی ورنہ اس کا دماغ خراب نہیں تھا کہ وہ یوں ہی بھیر کر ہی وجہ کے آپ کو باڈی فورس ساتھ خود بھی مل جاتی۔“ سرین کو لمدہ سے محبت تھی اور ماموں سے بھی۔ خرم اگرچہ اس سے چار سال بڑا تھا مگر وہ اس کو نہ صرف ماموں کہتی تھی بلکہ ماموں بھتیجی بھی تھی۔ اس کی باتیں سن کر خرم نے کہا۔

”میں نے تو کچھ بھی نہیں کیا تھا۔“ خرم صاف ٹکڑیا۔ ”مجھے دیکھتے ہی اس نے کہا میرے قریب ہو تو اچھا نہیں ہوگا۔ میں نے کہا اگر یہ بات ہے تو چلو ہو کر دیکھنا ہوں۔“ اور اس رنگ دل لڑکی نے میرے ساتھ ساتھ اپنے پاؤں بھی ہالے لیے بے وقوف۔“

”چلیں جو ہو گیا سو ہو گیا۔ اب مجھے برمال لگانے دیں۔“ سرین کی ضد دیکھ کر خرم نے کہا۔

”لاؤ مجھے دے جاؤ۔ سونے سے پہلے لگا لوں گا۔“ سرین برمال دے کر چلی گئی تو اس نے خود کپاسی کے انداز میں کہا۔

”یہ جلن تو اس کی طرف سے محبت کا پڑا تھا جسے میں برمال لگا کر اس جلن کو ختم نہیں کروں گا جب تک یہ خودی نہ ختم ہو جائے۔ جلن اور خرم ہی جی محبت میں کچھ دھکا تو ہوا۔ کچھ یاد تو آتی اس ضدی لڑکی نے۔“ اس نے چائے کا گلاس تمام ایسا پورا پائے پیٹے ہوئے بھی وہ لمدہ کے بارے میں سوچتا رہا۔



مقلی کی رسم تو طے شد ہر وگرام کے مطابق اگلے روز ہو گئی مگر لمدہ اس میں شامل نہیں ہوئی تھی بلکہ پاؤں کی تکلیف کی وجہ سے ایک فینٹ کا بیج بھی نہ جاسکی تھی۔ کبھی کبھی سوچتی تھی اتنی تکلیف ہے اس کو مقلی ہوئی ہوگی جس کے سارے پاؤں ہالے ڈالے پھر سر جھٹک کر سوچتی وہ اس سزا کا مستحق ہے مجھے چھوٹنے کے علاوہ جیسے دنیا میں کوئی کام نہیں رہ گیا۔ پھر بھی ایسا حیثیت انسان ہے سنا دیتی نہیں۔ اب مزا آیا ہوگا مجھے چھوٹنے کا۔ آئندہ وہ دورہ کر ہی بات کرے گا۔

مقلی کو وہ فینٹ ہو چکے تھے جب وہ سرین کو مبارکباد کہنے آئی کہ مقلی کی رسم میں شامل نہ ہونے پر وہ لمدہ سے سخت خفا تھی۔ وہ آئی تو شہانہ بھائی بچن میں کھانا بنا رہی تھی جب کہ خالہ میرا پتہ کوڈ میں لیے بیٹھی تھیں۔ قریب ہی میز پر بھائی اور سرین کے والد بیٹھے پاؤں میں سروف تھے۔ لمدہ نے سب کو سلام کیا تو سرین بھائی نے پوچھا۔

”اب تمہارے پاؤں کیسے ہیں؟“ اسی تاریقی میں چائے گرائے سے مل گئے تھے اس لیے تم مقلی میں شامل نہیں ہوئیں۔ میں بھی حیران تھا سرین کی ایک ہی کینی اور وہ بھی اس کی خوشی میں شامل نہ ہو یہ ہو ہی نہیں سکتا۔“

”اب ٹھیک ہوں بھائی!“ پھر خالہ میراں سے سرین کا پوچھا۔

”اپنے کمرے میں ہو گئی اور کہاں جا رہے اسے۔“ خالہ نے کہا اور وہ سیدی سرین کے کمرے میں داخل ہوئی تو وہ اپنی چارپائی پر بیٹھی مقلی کی تصویریں والا المیہ دیکھ رہی تھی۔ لمدہ کو دیکھتے ہی المیہ بند کر کے کتے کے پیچے رکھتے ہوئے ماموں سے بولی۔

”اب بھی آنے کی کیا ضرورت تھی۔ وہ قدم پر گھر تھا پاؤں اب اتنے زیادہ بھی نہیں چلے تھے کہ تم نہ سکتیں یہ کہو کہ نہ آنے کے لیے تمہیں معقول بہانہ مل گیا۔“

”تمہارے پاؤں چلنے تو معلوم ہوتا۔ جوتے تو پہننے نہیں جا رہے تھے پھر آتی کیسے۔ لاؤ مقلی کی تصویریں مجھے بھی دکھاؤ۔“ لمدہ نے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا تو سرین ٹھک کر بولی۔

”ماموں کے پاؤں تو تم سے زیادہ چلے تھے اس کے باوجود وہ بھائیوں کے ساتھ مل کر سارا کام کرتے رہے اور لمدہ تم نے مقلی بے رحمی سے ماموں کے پاؤں ہالے ہیں اور انہوں نے شاید برمال بھی نہیں لگائی۔ تمہاری محبت کی مثالیں سمجھ کر پتہ نہیں کیسے چلنے پھرتے تھے۔“

”میں نے اس کو وارننگ دی تھی کہ آج مجھے چھوٹنے کی کوشش کی تو یہ ساری چائے تم پر گراؤں گی مگر وہ پھر بھی باز نہ آیا۔ وہ قریب آیا تو میں نے بھی چائے گرا دی۔ یہ تو کچھ بھی نہیں اب اگر اس نے مجھے چھوٹنے کی کوشش کی تو اپنے لیے لپے اٹھوں سے نہ صرف اس کے چہرے پر خاشاں ڈال دوں گی بلکہ اندھا بھی کر دوں گی اور سنوٹم نے اگر ماموں ماموں ہی کرنا ہے تم میں اٹھ کر چلی جاتی ہوں۔“ لمدہ نے دھمکی دی تو سرین جلدی سے بولی۔

”ارے نہیں نہیں اب اگر آئی ہو تو بیٹھو۔“ اور لمدہ نے کہا۔

”بیٹھو تو چکی ہوں اور جانتی ہوں جیسی والے دن میں اس لیے آئی ہوں کہ سب بھائی اور نا بھائی گھر پر ہوں گے ان سب کی موجودگی میں وہ بد معاش مجھ سے بات کرنے کی ہرکت نہیں کرے گا۔ چھوٹا تو دور کی بات ہے اب لاؤ نقاش والی تصویریں مجھے بھی دکھاؤ اور تمہارے سسرال والے تمہارے لیے کیا کیا لائے ہیں؟ یہ بھی بتاؤ اور ساری چیزیں مجھے دکھاؤ۔“ سرین اس کی بات سن کر بھی اور سسرال کی طرف سے آنے والا ایک اٹھائی اور پھر پتہ نہ ہوئی ایک چیز دکھاتے ہوئے بولی۔

”صرف ایک ہی سوٹ اور گانگی لائے ہیں اور ساتھ ضروریات کی دوسری چیزیں اور ایک اب کت۔“ سب کچھ دیکھنے کے بعد لمدہ تعریف کرتے ہوئے راز داری سے بولی۔

”جانتی ہو عابدہ بھائی کی شادی کے بعد ماں نے رشتہ کروانے والی سے کہہ دیا تھا جب کوئی اچھا رشتہ ملے تو لمدہ کے لیے لے آتا۔ اب کل کچھ لوگ مجھے دیکھنے آ رہے ہیں۔ لڑکا ان کا کمریکا میں ڈاکٹر ہے۔ چار بھائی دو بہنیں ہیں۔ تمہارے والد سب سے بڑا ہے تو وہ گھر میں سب سے چھوٹا ہے۔ باقی سب بہن بھائیوں کی شادیاں ہو چکی ہیں بس اب یہی ایک رہتا ہے۔ یہ دیکھو میں تمہیں دکھانے کو تصویر لاتی ہوں کتنا خوبصورت ہے۔“ لمدہ نے تصویر اس کو دی۔

سرین نے تصویر دیکھی اچھی تھی۔ اندر ہی اندر ماموں کا سوچ کر مل کو کچھ وہ اچھی طرح جانتی تھی ماموں کی گہرا نیند سے لمدہ کو چاہتے ہیں۔ اس لیے وہ بے لپے میں کہا۔

”لمدہ لمدہ میں کیا کیا ہے اور وہ تم سے محبت بھی کرتے ہیں۔“

”ارے وہ بد معاش دو کتے کا معمولی موزمبیک، تعلیم میٹرک، گھر کرائے کا پورے پیریا۔ میں ڈاکٹر اقبال ڈاؤن میں لکھی ہے ان کی اپنی اور وہ بھی ایک کنال کی۔ اس کی ساری فیلٹی پڑھی لکھی ہے حد میرا لور ہے بغیر لوگ وہاں کبھی اس بد معاش کے حوالے سے مجھ سے بات نہیں کرنا۔“ خرم کے ذکر سے لمدہ کا موداف ہو گیا تھا اور وہ بولی۔

”اب میں جانتی ہوں۔“

”ارے اب آئی ہو تو چائے تو پیو۔“ سرین نے روکنا چاہا مگر وہ اٹھ گئی۔ تاہم وہ ابھی دروازے کے قریب ہی پہنچی تھی کہ شہانہ بھائی کھانے کی نرے لیے اندر داخل ہوئیں لمدہ نے دیکھا تو کہا۔

”بھائی! میں تو گھر جا رہی ہوں۔“

”ارے اب آئی ہو تو بیٹھو۔ میں نے برائی دہائی ہے ذرا کھا کر بتاؤ تو کسی کسی بی بی ہے۔“ بھائی نے کہا تو لمدہ والہیں سرین کے پاس آ بیٹھی پھر کھانا تو کیا چائے بھی وہیں پی تھی بنو سرین خود اس کے لیے بنا کر لائی تھی پھر اجازت لے کر باہر آئی دروازے سے کھنے سے پہلے اس نے یوں ہی اوپر دیکھا سر کھڑا اچھوٹا دیکھ کر ہاتھ۔ لمدہ سے نظر ملنے ہی سکر لپا اور لمدہ نے غپ کر سوچا اس نے اوپر دیکھا ہی کیوں؟ گھر آ کر وہ سیدی جی اپنے کمرے میں آئی اور کرسی پر بیٹھ کر تصویر دیکھنے لگی۔

یہ ایک سٹائین اٹھائیں برس کا خوبصورت نوجوان تھا جس کے ہونٹوں پر ہلکی سکر اہٹ میں بھی جو شرم نہ لایا تھا وہ یہ بتاتا نہ لکھتا تھا کہ وہ ایک بے حد خوش وشریر نوجوان ہے۔ بلیک جینز شرٹ پر اس نے بلیک ہی جیکٹ پہن رکھی تھی اور اس لباس اور رنگ میں وہ بے حد اچھا لگ رہا تھا۔ چہرے سے ہی پتا چل رہا تھا کہ کسی بہت بڑے گھنے لکے ہوئے خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔ لمدہ نے سوچا سرین نے کہا تھا مان کو حقیقت پسند ہونا چاہیے۔ یہ بھی حقیقت ہے جو کل بن جائے گی مجھ میں ایسی کوئی کمی نہیں کہ وہ لوگ مجھے تکلیف کر دیں۔ اس نے تکبر سے سوچا۔ انہیں خوش کن خیالات میں گم وہ سوئی تھی۔ صبح اس نے کانچ جاتے ہی سب کو بتا دیا تھا کہ آج کچھ لوگ اسے دیکھنے آ رہے ہیں۔ سب نے ہی اس کے لیے نیک خواہشات کا اظہار کیا اور ساتھ ساتھ شہرہ بھی دیا کہ ان کے سامنے جانے سے پہلے پارلر میں فیشل ضرور کروالینا اور لمدہ ان کا مشورہ مان کر کچھ سے سیدی چار چلی گئی۔ فیشل کے بعد گھر آئی تو فوڈیہ بھائی نے سکر کر کہا۔

”ارے میری نندا اتنی خوبصورت ہے کہ فیشل نہ بھی کرواتی پھر بھی وہ لوگ پسند کر لیتے۔“

”پاں آپ کو جیسے ان کو ان کو نے بتا دیا ہے۔“ لمدہ شرمناک ہوئی۔

”شام کو خودی دیکھ لینا۔ انہوں نے اٹھنے سے پہلے ہی کہہ دیا ہے کہ ہماری طرف سے بات کی سمجھیں۔“ لمدہ بھائی کی بات پر شرماتی ہوئی اپنے روم میں آئی پھر دیوار گیر آئینے کے سامنے کھڑی ہو کر خود پر ایک تنقیدی نظر ڈالی اور سکر لپائی۔

شام کے وقت وہ لوگ آ ہی گئے لمدہ بھائی کے ساتھ چائے کی ٹری ڈھکیلی ڈرائنگ روم میں داخل ہو کر سب کو سلام کرنے کے بعد چائے اور کھانا پیش کیا اور پھر ان کے قریب ہی بیٹھ گئی۔ واقعہ لو میں کل چار تھے۔ مگر کسی کی مائیں بڑی بھائی بڑی بہن اور بڑی بھائی۔ ان سب کو لمدہ بے حد پسند آتی تھی۔ لڑکی کی بڑی بہن نے صاف صاف کہہ دیا۔

”چھ ماہ وہ مجھے بھائی کے لیے لڑکی کا شکر کرتے ہوئے۔ بہت ساری لڑکیاں دیکھیں مگر سب چھوٹے قد کی تھیں جب کہ ہمارا بیٹا دراز قد ہے۔ شکر ہے خدا کا ہماری تلاش ختم ہوئی۔ ہمیں سرفردہ لڑکی مل گئی۔ اپنے بیٹے کے لیے ہماری طرف سے بات کی سمجھیں۔ آپ کو لڑکے کے بارے میں جو کچھ بھی معلوم کرنا ہے جہاں سے بھی پتہ کرنا ہے کہ پس تا کہ مقلی کی رسم ہو اکی جا سکے۔“ اس نے بات ختم کر کے لمدہ کو محبت سے دیکھا۔

”آپ لڑکے کا لیڈر میں سو بھائی نمبر اور اسی میل وغیرہ۔ جائیں ہم یہ پتہ کرنے کے بعد آپ کو فون کر دیں گے۔“ فوڈیہ بھائی نے کہا تو ان خاموش رہیں اور وہ لوگ یہ سب دے کر چلے گئے تھے فوڈیہ کی بات سن کر لڑکے کے بڑے بھائی نے یہ سب لکھ کر فوڈیہ کے حوالے کیا اور جلدی کرنے کی تاکید کر کے چلے گئے کہ دو ماہ بعد لڑکا شادی کرنے پاکستان آ رہا تھا ان کے جاتے ہی فوڈیہ بھائی نے کہا۔

”کیوں لمدہ! میں نے کبھی تھی میری نندہ ہے ہی اتنی پیاری کہ پہلی نظر میں ہی پسند کر لی جائے گی۔“ اور لمدہ شرمناک ہو گئی۔ ماں بھی بے حد خوش تھیں۔ رات لاگوتا یا تو وہ



بولے تم مجھے لڑو کہ ایلہ ایس ایس ایس ملے بغیر حیات سے۔ یہاں جلدی مارا جاتا کروں گا اور چٹے کرنے پر سب نے ہنسی کہا۔

یہ صرف لڑکا بلکہ پورا خاندان ہی اچھا ہے آپ فوراً ہاں کر دیں یوں ابھرے ہاں ہوتے ہی مٹتی کا دن طے ہو گیا۔ لہذا یہ رشتے طے ہونے پر بے حد خوش تھی۔ اپنی پسند کا میوزک سنتے ہوئے گیت کی تصویر دیکھتے ہوئے لہذا بھول چکی تھی کہ سہ پہر کی چائے کا نام ہو چکا ہے۔ وہ وہاں سے کرن کو بھیجا۔

”آئی! آج چائے نہیں بنائی ماں پوچھ رہی ہیں؟“ کرن نے لپکا کمرے میں داخل ہو کر پوچھا پھر اس کے ہاتھ میں تصویر دیکھ کر بولی۔ ”آئی! آپ بہت خوش قسمت ہیں بھائی جان کہتے خوب صورت ہیں۔“ لہذا اس کی بات سن کر سرگرمی پھر کچن میں آئی۔ بھائی کے لیے جس کا لانا تھا اور باقی سب گھر والوں کے لیے چائے بلکہ ساتھ پکڑے۔ بھی بنائے تھے۔ ایک تو اس لیے کہ چٹائی والے دن سپر کی چائے پر یہ اہتمام لازمی ہوتا تھا کہ اس دن لابی گھر ہوتے تھے دوسرے یہ کہ آج تو بڑی خال بھی آئی ہوئی تھیں۔ دوپہر کے کھانے کے وہ پکڑوں کا سامان بنا کر اپنے کمرے میں گئی تھی تاکہ پکڑے۔ تلنے تک نہیں جھوڑا نہیں بکھڑے۔ اب لہذا نے جلدی سے ایک چوبے پر چائے کے لیے پانی رکھا اور دوسرے پر تیل والی کڑی چاڑھا کر پکڑے۔ تلنے لگی تھی ہی کرن کچن میں داخل ہوئی اور بڑے لواب سے پوچھا۔

”آئی! میری مدد کی ضرورت تو نہیں۔“

”نہیں۔“ لہذا نے کڑی سے پکڑے نکالتے ہوئے اسے محبت سے دیکھ کر کہا تو کرن ایک پکڑا اٹھا کر جھوڑا سا تو ڈکرنہ میں رکھتے ہوئے بولی۔

”مگر چھپ چکی ہماری ہیں یا نہیں؟“

”ہمارے ہوں مجھے معلوم ہے تم شوق سے کھاتی ہو یہ دیکھو لو کھاتے کر پانی میں ڈال رکھے ہیں۔“ لہذا نے ہنستے ہوئے آؤد کھانے تو کرن بھی ہنسنے لگی پھر تین چار پکڑے۔ کھا کر وہ باہر چلی گئی اور لہذا پھر سے اپنے کام میں مصروف ہو گئی۔

سب کچھ تیار کرنے کے بعد اس نے بندے سلپتے سے تمام چیزیں زلی میں رکھیں اور تین برتن رکھے کے بعد زلی دھو بیٹھی۔ کمرے میں آئی کہ اس وقت سارے چہن ہنسنے تھے۔

لہذا نے سب سے پہلے برائی کو جس کا لگا اس تمام پر باقی سب کو چائے پر پکڑے۔ پیش کرنے ہی دوران اس کی انیس بھی سننے کی جو بڑی خال سے بہہ رہی تھیں۔

”جب سے فوزیہ کا مایہ سے رشتہ طے ہوا تب سے یہ گھر خوشیوں سے مینکے لگا ہے۔ رشتہ طے ہونے کے باوجود مایہ خوش نہیں تھا مگر میری بیماری کا سن کر ابھر سب کے مجبور کرنے پر وہ شادی کے لیے آگیا اور اب شادی کے بعد وہ کتنا خوش ہے آپ اس آپ کو کیا بتاؤں دس سال میرا اس آوارہ لڑکی کے لیے خود بھی بے سکون رہا اور میں بھی پریشان رہا کچھ فوزیہ کی وجہ سے میں نے اپنے بیٹے کی شغل دس سال بعد دیکھی اور شادی کے بعد اللہ نے فوزیہ کو امید سے کر دیا۔ یہ خوشی بھی کوئی چھوٹی خوشی نہیں۔“ لہذا نے خاموش ہو کر چائے کے دو تین گھونٹ بھرے پھر کہا۔ ”اب لہذا کا رشتہ ایک اونچے خاندان میں طے ہوا ہے۔ یہ سب فوزیہ کے پاؤں کی برکت سے ہوا ہے ورنہ آج کل تو اچھا رشتہ شادی کرتے کرتے سال دو سال تک جاتا ہے میں پریشانی لگ کر آئے جانے والوں کی کھانا پانی کا شہ چاہا مگر لہذا کو پہلی باری آئے والوں نے ہند کر لیا اس سے نہ صرف فائزہ چوں کی بچت ہو گئی بلکہ پریشانی بھی ختم ہوئی۔“ لہذا تو آپ کو یہ بتانا بھول گئی ہوں۔ اگلے ماہ مایہ پکا پکا پاکستان آجائے گا۔“ انہوں نے پاس بیٹھی فوزیہ کی پیشانی پر ہنسی پھر بھائی ہوئی تو اس میں کہا۔

”ہر ماں یہی چاہتی ہے کہ اس کا بیٹا اس کی آنکھوں کے سامنے رہے۔ بیٹے ماؤں کی آنکھوں کی خوشگوار ہوئے ہیں مگر مجبوریاں رزق کی تلاش میں انسان کو کہاں سے کہاں لے جاتی ہیں مگر یہ خد کا اب اچھے ہنسنے بیٹے کو بھی بھر کر دیکھا کروں گی۔“ لہذا چپ ہو گئیں تو لہذا نے خال سے کہا پھر آتے ہوئے ناز کو بھی ساتھ لے آئیں۔

”لو ابھی تو مایہ کی شادی پر اتنے دن رہ گئی ہے اب مٹتی کے بعد تم خود آنا سکتے ماؤں گھر میں چلی آؤ یہاں آئے ہوئے۔“ خال نے شفقت سے مسکرا کر کہا۔ لہذا جو اب کچھ نہ بولی۔ سب نے چائے پی لی تو دو برتن زلی میں رکھے باہر چلی آئی پھر برتن دھوئے کچن کی صفائی کرتے ہی شام ہو گئی تھی۔ خال بھی جا چکی تھیں لہذا رات کا کھانا سب کو کھلا کر فارغ ہو کر اپنے روم میں آئی تھی۔

یہ مٹتی سے دو دن پہلے کی بات ہے جب وہ کالج سے واپس پر گھر میں داخل ہوئی تو خرم گھر کے داخلی دروازے کے قریب ہی کھڑا کو یا اسی کا منتظر تھا۔ اس کو ابھی طرح معلوم تھا۔ اب کالج سے آتی ہے۔ اس کو دیکھ کر پہلے لہذا ڈنکی بھرے صوف پر بیٹھا رکھ دیا۔ وہ آگے بڑھنے لگی تو خرم نے سامنے آئے ہوئے راستہ روک لیا۔ لہذا نے دیکھا وہ بعد پریشان اور بد حال تھا اور کہہ رہا تھا۔

”لہذا! اچھے آئی سی پتہ پا کر پڑھو تمہاری مٹتی ہے وہ بھی ایسے کہ استاد بڑے استاد کو بتا رہے تھے کہ میں نے بھی نہ کیا تم نہیں جانتی تب سے میری مایا مات ہے۔“

”ہاں دوری ہے میری مٹتی مگر تمہیں کیا تکلیف ہے؟“ لہذا نے اس کو گھورتے ہوئے پوچھا۔

”پھر یہ کہ لہذا تم یہ مٹتی نہیں کروں گی۔ تمہیں معلوم ہے ما لہذا میں تم سے محبت کرتا ہوں بلینز انکار کر دو تم میری ہوصرف میری اس لیے کسی اور کے نام کی کٹھن مٹ پڑو۔“

”کیوں انکار کروں میں تو بہت خوش ہوں۔ اتنے بڑے اور امیر خاندان میں رشتہ طے ہوا ہے باقی رہی محبت تو تمہیں مجھ سے محبت ہے مجھے تم سے محبت نہیں۔“ لہذا نے بے رخی سے کہا تو خرم نے گھو کر اس کو دیکھا اور پھر۔ ”پر وہ خود پریشانی کی وجہ سے طے لے لی اور اس نے سر دھجے میں کہا۔

”فیک ہے تمہیں مجھ سے محبت نہیں مگر مجھے تو ہے اس لیے جیسے کہہ رہا ہوں ویسا کر کہو اچھی رہو گی ورنہ دوسری صورت میں مٹتی کرو اور پھر انجام دیکھ لو ابھی خود انکار کرو گی تو عزت روپا لے گی ورنہ بعد میں جب مٹتی کوئی تو تمہاری بہت سونے ہوئی کسی کو نہ کھائے۔“ لہذا اس کی رہائی۔

”تم ایسا نہیں کر سکتے میرے لاکو بانتے ہو۔“ لہذا نے غصے سے کہا۔

”جے شک میں ایسا ہی کروں گا تم مٹتی کرو اور دیکھ لو باقی رہے تمہارے لاکو دو بعد میں دیکھی جائے گی۔“ اس نے لہذا کا ہاتھ تمام کر زلی سے دلیا پھر جبکہ کر دیوار کے قریب رکھا۔ وہی واٹن اٹھایا اور باہر نکل گیا۔ ما۔ کلام۔ غصے کے برامال تھا مگر کبھی تو اس کو مارا۔ جہاں کا ٹیٹھ لڑکا سمجھتے تھے وہ وہ کتنی بے خوفی سے اس کے گھر میں کھڑا اس کا انتظار کر رہا تھا کہ اس کو کچھ ملے۔ معلوم تھا کہ اس وقت پہلی اپنے کمرے میں نہ تھی تو اس کو مارا۔ جہاں کا ٹیٹھ لڑکا سمجھتے تھے وہ وہ کتنی بے خوفی سے آئی ہی مٹتی تھی۔ وہ اپنے روم میں آئی جو پہنچ کر تے ہوئے اس سمیتہ کا مل سوچنے لگی اور جب کچھ سمجھ میں نہ آتا تو بڑبڑاتی۔

”اس لینے کو یہ بات ہوئی میں حق جو کہ کر لیا ہے وہ سب کر زلی۔ صرف مجھے جہاں کر زلی ہے۔ اب یہی بات ہے۔“ لہذا نے سوچا وہ بے سکون ہوئی۔

مٹتی کی رسم خوب دھوم دھام سے ہوتی تھی۔ دوسرے پچاس لوگ آئے تھے جب کہ دوسرے لہذا کی تین بڑی بہنیں اپنے شوہر اور بچوں کے ساتھ موجود تھیں۔ فوزیہ کے گھر کے چند لوگ یا پھر سرین کی پوری فیملی موجود تھی۔ خاندان میں ماں نے گھر کی خود کو فیملی نہیں بلایا تھا بچت کے خیال سے لہذا کے سرال والے اس کے لیے گیارہ سوٹ لائے تھے جو ایک سے بڑھ کر ایک تھا۔ ہر سوٹ کے ساتھ میٹنگ جوتا۔ سونے کے وہیت اور چھ چوڑیاں اور اس کے علاوہ ضرورت کی بہت سی چیزیں اور سونے مشائی لہذا کی ساس نے پچاس ہزار لہذا اس کو دی تھی تو اس کے سب بہن بہنوں دس دس سوٹاتھ آئے والے مہمانوں نے بھی پانچ پانچ ہزار سے کم تو کسی نے بھی نہیں دیا تھا دھوڑوں طرف کے لوگ بے حد خوش تھے خاص کر لہذا۔ اس کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہیں تھا۔ سب بہنیں بھی لہذا کی قسمت پر رشک کر رہی تھیں کرن بھی بہن کی خوشی میں خوش تھی اور اس نے ابھی سے پروگرام بنانا شروع کر دیا تھا کہ مہندی پر کون سا سوٹ بنانا ہے اور برائے پر کون سا کہ وہ لکھتی چھوٹی سائی تھی اور وہ پانی کی رسم تو اس نے ہی ادا کر رکھی تھی۔

لہذا کے سرال سے سب کچھ اگر شمار آگیا تھا تو دوسرے بھی سب کچھ شمار ہی کیا گیا تھا کھانے میں کئی چیز تھیں۔ گھر کے گھر کے ہر فرد کو سوٹ دیئے گئے تھے۔ خاص کر لڑکے کی ماں کو ماں ان کی حیثیت سے مہربان ہو کر تین سوٹ دیئے تھے بلکہ ساتھ تین تو لے کر لے گئے تھے اور ختمی ہو کر تمام ساس کو لاکا سیٹ پرتانے کا تھا۔ ماں نے گھر کے ماں کو خوش کرنے کے ہر کام اپنی حیثیت سے بڑھ کر کیا تھا۔ یوں سب کچھ اچھے طریقے سے ہو گیا تھا اور لڑکے کی ماں بھی اچھی عورت تھی اس نے جانے سے پہلے کہہ دیا تھا۔

”میں! ہمیں چیز کی ضرورت نہیں بس زیور کپڑے جتنے چاہو۔ دینا شادی کے بعد لڑکی فوراً نکلیا۔ اپنے شوہر کے پاس چلی جائے گی۔ سامان کی دیکھ بھال کون کرے گا؟ یہ بھی اللہ کے فضل سے ہمارے گھر میں کسی چیز کی کمی نہیں۔“

سب لوگ ہی خوش تھے رات کے مٹنے پہ آئے والے سامان کی باتیں ہوتی ہیں۔ لہذا تو خوشی سے مارے۔ ساری رات جاگ رہی نہ زاری تھی میری خوشی ایب دن اور آئیں۔ رات کی تھی۔

دوسرے دن شام کے قریب رشتہ کر وئے۔ علی عورت آئی۔ ماں نے مایہ کا رشتہ فوزیہ سے ہونے پر اس کو تین ہزار روپے دیئے تھے اور اب فوزیہ سے ماں نے کہا تھا کہ وہ لہذا کا رشتہ اونچے خاندان میں طے کروانے پر اس کو پانچ ہزار روپے۔ رشتہ کر وانے والی کا نام ”شرف“ تھا سب اس کو مایہ شرف کہتے تھے۔ ماں نے دیکھتے ہی ہو کو آواز دی۔

”فوزیہ اپنی خالہ کے لیے پانچ ہزار لہذا اور ساتھ سوٹ بھی۔“ پھر رشتہ کر وانے والی سے کہا۔

”اچھا ہوا تم خود ہی آگئیں ورنہ میں نے کل خود ہی تمہارے گھر آنا تھا۔ آج کا دن تو مٹتی کی جسمن اتار تے ہوئے ہی گزرا گیا۔ اب کل ہی خاندان میں مشائی دیئے جاؤں گی۔“ اتنے میں فوزیہ پیسے اور سوٹ لے کر آگئی۔ خال شرف نے ہاتھ سے سوٹ اور پیسے پر کرتے ہوئے دیکھی لہجے میں کہا۔

”پیسے سوٹ کی تو کوئی بات ہی نہیں کاش کہ میں جو کہنے آئی ہوں وہ کتنی مگر مجبوری ہے اس لیے کہنا تو پڑے گا۔“

”کیا بات ہے شرف؟“ لہذا نے پہلی بار محسوس کیا وہ کچھ پریشان ہے۔

”آپا! کہتے ہوئے زبان چلتی ہے کہ نہ ہائی پڑے گا۔ گھر کے ماں نے مٹتی ختم کر دی ہے۔ میرا پی پیس واپس مانگی ہیں۔“ خال شرف نے یہ کہہ کر کو لہذا کے سر پر ہم مار دیا۔

(اپنی آئندہ)

"کیا کہہ رہی ہو اشرف؟" "ماں کو پیسے کسی نے ہم مارا تھا۔ کتنی ناقابل یقین بات تھی۔ کل منگنی ہوئی آج شتم کی جاری تھی وہ بھٹکھن کی وجہ سے ابھی خاندان میں غنائی دینے بھی نہیں گئی تھیں کہ منگنی شتم ہونے کی اطلاع مل گئی تھی۔"

"ٹھیک کہہ رہی ہو آپ۔" "ماں اشرف نے کہا تو ماں نے خود کو سنبالنے کی کام کوشش کرتے ہوئے پوچھا۔

"مگر منگنی شتم کیوں کر رہے ہیں وہ لوگ؟" "ہو چکی تو بتائی ہوگی ان لوگوں نے؟"

"کہتے ہیں فون پر لوگ کے بارے میں کسی نے کچھ کہی باتیں کی ہیں جو ہم بتانا نہیں چاہتے کہ ہم بھی بیٹیوں والے ہیں۔ لڑکی جو بھی ہے جیسا بھی اس کا کردار ہے ہم اس پر تبصرہ نہیں کرنا چاہتے۔ جب منگنی ہی شتم کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے پھر مزید کچھ کہا فصول ہی ہے۔" "ماں اشرف خود بھی دکھی لگ رہی تھیں۔ جب ماں کو یقین ہو گیا کہ منگنی واقعی شتم کی جاری ہے تو انہوں نے بھڑک کر کہا۔

"اے ایسے ہی بیٹیوں والے تھے تو منگنی شتم نہ کرتے۔ پہلے ہم سے بھی ہماری بیٹی کے بارے میں پوچھتے انہوں نے ایک ہی فون پر منگنی شتم کرنے کا فیصلہ کر لیا اور وہ کون ہے جس نے میری بیٹی کو سوا کیا؟ اللہ کرے کہ اس کی موت مرے اے اشرف! ہم سے بھی کچھ لوگوں نے کہا۔ کہ بڑا کافی عمر کا ہے مگر ہم نے یہ سوچ کر یقین نہ کیا کہ کچھ لوگ دنیا میں بغیر کسی وجہ کے حسد کرنے والے ہوتے ہیں۔ منگنی ہی شتم کروئی کہنے لوگوں نے۔ اور سنو اشرف منگنی شتم کرنے والا مسلمان لینے آئی ہو کر ہے جو کفن ہم نے ان کے پورے خاندان کو کیا وہ کہاں ہے وہ بھی۔ لے گا تھا۔ میرے شوہر اور بیٹے کی حق حلال کی کمائی ہے ان امیر لوگوں کی طرح حرام کی نہیں۔"

"آپ آپ کا مسلمان بھی ساتھ ہی بیٹھا ہے ان لوگوں نے باہر گاڑی میں بڑا ہے۔ ڈرائیور جب اپنا سامان اندر سے لینے آئے گا تو ساتھ ہی لیتا آئے گا۔ آپ بھی اپنی ایک ایک چیز لگنے لگے گا۔ ویسے میں خود بھی لگن کر لائی ہوں۔" "ماں اشرف نے کہا تو ماں بولیں۔

"مسلمان میں خودی کیسے دے دوں اشرف! پہلے مردوں میں بات ہوگی ان کو اس شخص کا نام بتانا ہوگا جس نے فون کر کے ان کو مگر لایا پھر ان کے کھانے پینے پر جو بھی ہمارا خرچہ پائی ہو اور وہ سب کاٹ کر پانی کے پیسے ان کو دے دیں گے اور سامان بھی۔" "ماں نے کہا۔

"آپ! جب ساری بات ہی ان لوگوں نے منہ بھر میں شتم کر دی تو پھر یہ سب کرنے کا فائدہ۔ میں تو کہتی ہوں سارا فیصلہ ہی خند پر چھوڑیں۔ وہ آپ کا سہرا ان لوگوں پر ضرور ڈالے گا۔" "ماں اشرف نے نہ جانے کس انداز سے کچھ نظر کہا۔

"اے خند پر بھی چھوڑیں گے تو خود بھی پوچھ گچھ ضرور کریں گے۔ جاؤ فوڈیہ اپنے سر کھون کر کے بلاؤ مگر سنو وہاں فون پر ان کو کچھ بتانے کی ضرورت نہیں۔ بولو فوراً مگر آئیں! ماں کہتی ہے اور ہاں جاہر عامر اور سیف کو بھی فون کر کے ان کو بتا دیا کہ کیا بات ہے۔" "ماں نے اپنے تینوں دلاؤں کے نام لیے پھر کہا۔" "اور سنو لاکو ابھی کسی بات کا پتہ نہیں چلنا چاہیے ہو سکتا ہے خدا کچھ بہتر کر دے۔"

"جی! ماں۔" "کہہ کر فوڈیہ اپنی تو ماں نے ماں اشرف سے کہا۔

"تم آؤ میرے کمرے میں ساری بات چیت وہیں ہوگی۔" اور اشرف کو ساتھ لے لے ہل کرے میں چلی آئیں۔ لگا ہوں کے سامنے لامہ کارلٹ والا خوشی سے ہلکا چہرہ رکھا تھا۔ ہائے کسی شخص کی نظر لگا ہی میری بیٹی کی خوشیوں کو۔ کیسے دکھوں گی اس کا سو کو چہرہ اور رشتے داروں ملنے داروں سے کیا کہیں گے نہ تو لوگ کچھ ہوتے ہیں بیچہ بیچے کچھ کیا کیا باتیں ہوں گی۔"

"فوڈیہ نے لابی کی فون کر کے گھر آئے کہا تو انہوں نے پوچھا۔" "خبر ہے فوڈیہ بیٹی؟"

"خبر ہے وہی لابی تو میں بے وقت آپ کو فون کر کے گھر آئے کہ نہ کہتی۔" فوڈیہ نے بھرتی ہوئی آواز میں کہا تو لابی نے فگر مندی سے پوچھا۔

"کیا بات ہے فوڈیہ کچھ پتہ چلے۔"

"لابی! ماں نے فون پر کچھ کہی بتانے سے منع کیا ہے۔ بس آپ فوراً آ جائیں۔" فوڈیہ نے کہا تو لابی بولے۔" "اچھا ٹھیک ہے میں آ رہا ہوں۔" "فوڈیہ بند کر دیا۔ وہ گھر آئے تو ابھی ٹھیک سے بیٹھنے بھی نہ پائے تھے کہ ان کے تینوں دلاؤں کی چلنے۔ لابی نے حیران ہو کر ان کو دیکھا اور دل میں سوچا کہ کیا کوئی بڑی بات ہو چکی ہے جو یہ تینوں بھی آئے ہیں۔ پھر ان تینوں کے سامعہ کا جواب دیتے ہوئے انہوں نے ماں کے پاس بیٹھی ماں اشرف کو نظر انداز کرتے ہوئے دیوی سے پوچھا۔

"کیا مسئلہ ہے؟" "تو ماں نے ایک ہی سانس میں ساری کہانی سنائی اور یہ سب سنتے ہی لابی کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ کوکہ لابی ٹھنڈے مزاج کے دی تھے مگر یہ بات ہی لکھی تھی کہ وہ راحت نہ کر سکتے اور اٹھتے ہوئے بولے۔

"ان کی جرات کیسے ہوئی کہ میری پاک دامن بیٹی پر اصرار رکھیں۔ ابھی چل کر بات کرتا ہوں! کیسے شتم کرتے ہیں وہ یہ منگنی۔"

"ممبر سے لابی۔" "جاہر نے ان کا ہاتھ تمام کر ان کو دبا رہا تھا تو بولے کہا۔" "وہ لوگ اپنی طرف سے منگنی شتم کرنے کا فیصلہ کر چکے ہیں۔ جو ماں اشرف کو سامان لینے اور ہمارا دیا ہو سامان دینے بھیجا ہے۔ جب شروع ہی سے ایسی غلطیوں اور بدگمانی ہو جائے تو پھر وہ دباؤ وہاں رشتہ جوڑا بیٹی کی زندگی تباہ کرنے کے مترادف ہے۔ رشتہ تو اب وہ ہمارے پاؤں پر گر کر بھی مانگیں تب بھی نہیں دینا سنا ہم یہ پوچھنا بے حد ضروری ہے کہ وہ کون ہے جس نے فون کر کے ان کو گھر لایا۔ میں ابھی خود کے کمرے کے بڑے بھائی کا سران سے بات کرتا ہوں پھر سب جاتے ہیں۔" "کہہ کر جاہر بھائی باہر لاؤنچ میں آئے اور کامران کو فون کیا۔ مگر فون کرنے سے بھی کچھ حاصل نہ ہوا۔ کامران نے کہا۔

"آپ آنا چاہتے ہیں سو بٹا لیں مگر منگنی کو مکمل طور پر شتم ہی کیجیے گا۔ جو باتیں ماں اشرف سے کہی ہیں وہی آپ سے بھی کہہ دیں گے نہ کم نہ زیادہ کی امید رکھیے گا۔ باقی ری فون کرنے والے کا نام بتانے کی بات تو ہم کا جب عین خود ہائیں تو آپ کو کیسے بتائیں گے صرف اتنا کہنا ہوتا ہوں بغیر کسی وجہ کے کوئی خوف تو ابھی سب نہیں کہتا جو ہم سے کہا گیا۔ بس آپ کی مرضی اگر آپ بھی آپ آنا چاہتے ہیں تو آ جائیں مگر انے سے پہلے فون ضرور کر دینا تاکہ ہم بھی چار بندے اکٹھے کر کے دیکھیں بات کرنے کو۔" "فوڈیہ بند کر دیا۔

جاہر بھائی کی چیخا پنی فون لگائی مگر اب کیا ہو سکتا تھا۔ ایک انہونی جو ہو چکی تھی اس کے مڑے پچھتاہن تھا۔

وہ کچھ ری فون کے تقریب ہی کھڑے کچھ سوچتے رہے پھر ایک طویل سانس لے کر وہ لپس بڑے کمرے میں آئے اور کامران سے ہونے والی بات چیت کر کہا۔

"میرے اپنے خیال میں تو ہمارا وہاں جانا اب مناسب نہیں کہ شتمے محبت سے بننے ہیں زبردستی نہیں جوڑے جا سکتے۔ بیٹی شکر ہے کہ شادی سے پہلے ہی یہ سب ہو گیا۔ بعد میں ہوتا تو ہم کیا کر سکتے تھے۔ جب کامران سیف جب سے آئے تھے خاموش ہی بیٹھے ہوئے تھے۔ جاہر کی باتیں سن کر لابی نے کہا۔

"ٹھیک کہتے ہو شتمے محبت سے ملے ہو۔ ہیں زبردستی نہیں مگر کاش یہ سب میری بیٹی کے ساتھ نہ ہوتا۔" "ان کے چہرے پر شدید دکھ کا احساس تھا اور اس وقت وہ اپنی عمر سے اور بھی بڑے غمگین آ رہے تھے۔ دیکھ کر جاہر نے ان کو تسلی دی۔

"لابی! خدا جو کرتا ہے بہتر کرتا ہے۔ خاندان ایسا جلدباز ہے تو لڑکا خود ہائیں کیا ہوا گا ناویں ہونے کی ضرورت نہیں خدا لہبنا لامہ کا مقدر بہت اچھا کھولے گا۔" پھر ماں سے کہا۔" "ماں! آپ جاؤں اور لامہ سے منگنی والا سامان لے آئیں۔ میں جب تک کھانے کے سترے وغیرہ کا حلیہ کرتا ہوں۔" "یہ سن کر ماں نے کہا۔

"میرا تو حوصلہ ہی نہیں بڑا کہ میں جا کر بیٹی کو یہ محسوس نہ کروں۔ فوڈیہ بیٹی تم ہی جاؤ اور لامہ سے سب سامان لے آؤ۔ ہائے میری بیٹی کو رسوا کرنے والے کی قبر میں کیڑے پر ہیں۔ اور ان لوگوں کے بیٹے کو بھی اپنی خوشی کے لیے وطن کا ناصیب نہ ہو۔ ہائے ہائے کوئی ایسے بھی کرتا ہے جیسا ان لوگوں نے کیا۔" منگنی لابی کی اور کل شتم۔ ہیرا غرق ہون لوگوں کا۔" "ماں کو سننے دینے لگیں ان لوگوں کو فوڈیہ بھائی لامہ سے سامان لینے چلی گئیں۔

لامہ کو اپنی خوش نصیبی کا یقین نہیں آ رہا تھا۔۔۔

ایک شخص جو بے حد خوب صورت تھا بڑا چمکا بھی اور بہت امیر بھی وہ اس کی ہو چکی تھی۔ اس کے نام کی انگوٹھی اس کی انگلی میں چمک رہی تھی۔ اس نے جو خوب دیکھے تھے وہ سب پورے ہو چکے تھے۔ منگنی پر آ یا سامان و رات کو لگی مارو کچھ کی تھی اس کو سوچ رہی تھی وہ لوگ منگنی پر اتنا کچھ لائے ہیں شادی پر کیا نہیں لائیں گے۔ رات اپنے گھر جانے سے پہلے فرین نے بھی اس کو کہا تھا مارا کیا دیتے ہوئے۔

"لامہ! انتہائی تمہاری خواہش اور خوب پورے ہوئے پر میں بے حد خوش ہوں۔ تم نے جو سوچا وہ ہو گیا۔ جو چاہا اس کو لیا۔ خدا تمہیں یونہی خوشیوں سے نوازتا رہے اور خوش رکھے۔" "میرا کہیں کی باتیں سن کر مارے شکر کے وہ سکرانی تھی اور کہا تھا۔

"میں دعا لیں میری طرف سے تمہارے لیے بھی ہیں۔ اب تم خودی سوچو تمہارے فقیر ماموں میرے لیے یہ سب اہلستا تھا۔ دو شادی اپنی شادی پر بھی نہ اتنا لاسکتا۔" "سیرین نے کوئی جواب نہ دیا۔ اما زت لے کر چلی گئی کہل لاسکی۔ ہمارے ماموں کے ساتھ تھا حور تب سے لامہ بھی اور مگیترا کا قصور۔

اس وقت بھی وہ انہی خیالات میں گم اپنی چار پائی پر لٹی تھی ہاتھوں میں مگیترا کی تصویر تھی اور ماتوں میں ساس کی باتوں کی یادداشت۔۔۔

انہوں نے رات ہی لامہ سے کہہ دیا تھا شادی کو نوازہ دھریک جاتے ہی وہ تمہارے کاغذات مکمل کر کے تمہیں بھی لپنے پاس وہیں بلا لے گا۔ بیاہری فرض ہے میرا میں بھی لاؤ کر کے فارغ ہو جاؤں گی پھر میرا بھائی چاہا ہے۔ راتوں کی امریکہ تو کبھی پاکستان۔ وہ انہی خیالوں میں گم تھی کہ فوڈیہ بھائی کمرے میں داخل ہوئیں۔ مگر لامہ کو اپنے آس پاس کا ہوش ہی کب تھا۔ وہ بے لفظی زبان میں ہاتھ میں چکڑی مگیترا کی تصویر سے باتوں میں جھکتی۔

فوڈیہ نے اس کے ہاتھ میں تصویر دیکھ لی تھی۔ اس لیے اس کو حوصلہ نہ ہوا کہ لامہ کو منگنی شتم ہونے کی اطلاع دے۔ رات ہوئی وہ لپس بڑے کمرے میں آئی اور کہا۔

"ماں! اس کا شکر اچھا کہ دیکھ کر میرا تو حوصلہ ہی نہیں کہید۔ بیٹی اس کو سناؤ آپ خود ہی جائیں۔" فوڈیہ کی بات سن کر کچھ دیر ماں سوچتی رہیں پھر اٹھتے ہوئے بولیں۔

"آؤ تم بھی میرے ساتھ۔" پھر وہ دونوں ایک ساتھ لامہ کے کمرے میں داخل ہوئیں۔ ان کے پیچھے رشتے کرانے والی ماں اشرف بھی تھیں۔ لامہ نے سب کو ایک ساتھ دیکھ کر چہرہ پھر تصویر کیسے کے چہرہ کہتے ہوئے جلدی سے اٹھ بیٹھی۔ ماں اس کے پاس ہی بیٹھ گئیں پھر آہستگی سے کہا۔

"میری بات غور سے سنو بیٹی خدا جو بھی کرتا ہے بہتر ہی کرتا ہے۔ شکر ہے شروع میں ہی یہ چل گیا گندے لوگوں کا۔" اگر شادی کے بعد یہ سب ہوتا بھی ہم ان لوگوں کا



کیا گاڑ لیتے۔ "انہوں نے رک کر کہا اور لمدہ کا چہرہ دیکھا۔ اور لمدہ جیسے کچھ نہ سمجھتی تھی اور لمان نے اب کراس کو بھانسنے کی بجائے فوڑیہ سے کہا۔

"فوڑیہ یہ منگنی میرا نے والی سب چیزیں من گن کر اپنی ماسی اشرف کو دے دو۔ دھیان سے کچھ نہ جانے ان کیسے لوگوں کا۔"

"مگر کیوں لمان؟" اب کے لمدہ نے چونکتے ہوئے پوچھا۔

"یہاں لوگوں نے بغیر کوئی وجہ بتائے منگنی ختم کر دی ہے۔ تمہاری ماسی اشرف منگنی میرا نے ولا سامان لینے کی ہیں۔ باہران لوگوں کا ڈرائیو رگڑی لے لے کھڑا ہے۔ پتا نہیں کس کی نظر لگ گئی تھی ہمارے خوشیوں کو۔" بات ختم کرتے ہی لمدہ کو سینے سے لگا لیا اور فوڑیہ ایک ایک چیز گن کر دے لگی اور لمدہ گم سم لمان کے سینے میں منہ چسپا کر روئے لگتی۔ بے آواز۔ لمدہ نے ساری چیزیں دینے کے بعد کہا۔ "منگنی باہر آؤ۔ مے میں رہی ہے۔ وہ بھی ڈرائیو سے کھینچے گا اٹھا لے جائے۔ باقی سب تو ہوا ہے۔" انہوں نے یاد آئے پر لمدہ کی انگلی سے انگلی اتار کر ان کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔ مگر منگنی ہم لوگوں نے تھوڑی سی استعمال کی ہے۔ منگنی تم لوگ رکھ لو وہ لوگ کہتے تھے منگنی لانے کی ضرورت نہیں۔" ماسی اشرف نے بتایا۔

"اے کوئی ضرورت نہیں ہے ان گندے لوگوں کی منگنی رکھنے کی۔۔۔ ہاں جو ہمارے منگنی پر دیے جانے کھانے پر فریقا ہوئے ان کا حساب کتاب میرا دلدار کر رہا ہے۔ انہوں نے سلامی کی صورت میں جو کیش لمدہ کو دیا ان میں سے کاش کر باقی بیٹے بھی تمہارے حوالے کرتے ہیں۔" ماسی اشرف سارا سامان باہر دے لگی تو لمان نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "معم نہیں کرنا لمدہ خدا اس سے بھی اچھا تقدیر رکھو لے گا تمہارا۔" اور فوڑیہ کو وہاں رکھنے کا اشارہ کرتے ہوئے خود ماسی اشرف کے ساتھ باہر چلی گئیں تو لمدہ نے اپنی آنکھیں صاف کرتے ہوئے کہا۔

"بھائی یہاں میرے قریب رہ کر شیشیں۔" اور جب فوڑیہ ٹپٹھی تو لمدہ نے پوچھا۔ "مجھے یہ بتا دیں منگنی کیا کہہ کر ختم کی گئی ہے؟"

"کہتے ہیں ٹھیک کے بارے میں فوڈیہ پر کسی نے چندا ہی باتیں نہیں جو ہم آپ کو بتانا نہیں چاہتے کہ ہم بھی بیٹیوں والے ہیں۔" فوڑیہ نے بتایا۔ پھر قہر دیتے ہوئے کہا۔ "لمدہ! تم نہیں کہنا تمہارے بھائی سے شادی ہونے سے پہلے میری دو گھنٹیاں ختم ہوئی تھیں۔ دیکھو خدا نے مجھے کتنا اچھا محبت کرنے والا شوہر دیا ہے۔ اچھا سسرال دیا ہے سب مجھ سے کتنا پیار کرتے ہیں۔ یقین کرو اللہ تمہارا تقدیر اس سے بھی اچھا کھلے گا۔" انہوں نے بات ختم کی تو لمدہ نے کہا۔

"پائیز اب آپ بھی جائیں میں راس کرنا چاہتی ہوں۔" اور فوڑیہ بھائی بھی کمرے سے چلی گئیں تو لمدہ نے تصویر نکال کر دیکھی اور پھر اسے بھاڑتے ہوئے پھوٹ پھوٹ کر روئے لگی۔

مجھ میں نہیں رہا تھا کہ یہ سب کیا ہو تھا کیسے ہوا تھا۔

معا لمدہ کا وہ بیان خرم کی طرف گیا اور اس نے سوچا کیا اس نے یہ سب کیا ہے اور اس کے ساتھ ہی ذہن میں چھٹا کا ہوا۔ اس میں تو شک و شبہ کی گنجائش تھی ہی نہیں۔ اس نے فیس نوٹس لمدہ سے کہا تھا ابھی وقت ہے منگنی سے انکار کر دو واقعہ میں کسی کو منہ دکھانے کے لائق نہیں رہو گی اور وہی کیا بھی تھا جو کہا تھا۔ اسے یہ واقعی اس گھٹیا انسان نے کیا ہے تو میں اس کو زندہ نہیں چھوڑوں گی۔

"کو کیسے انسان یہ کیا کیا تم نے؟" اور بھی شرت سے وہ روئے لگی تھی۔ تھی کرن روم میں داخل ہوئی۔ لمدہ کے قریب آئی اور اس کے اپنے ہاتھوں سے سو پوچھتی ہوئی محبت پھر سے لہجے میں کہا۔

"ان گھٹیا لوگوں کے لیے یہ سوز بے فوس کی بات ہے۔ یہ ٹھیک ہے جو ہوا اچھا نہیں ہوا مگر اتنا یہ بھی نہیں ہوا کہ شادی سے پہلے ہی ہو گیا۔ بعد میں ہوتا تو زیادہ نقصان دہ ہوتا۔ زیادہ ذلت مہر ہوتا اب آپ نہیں روئیں گی بلکہ حوصلے سے کام لیں گی۔" لمدہ جواباً کچھ نہ بولی۔

کرن ہی اس کے پاس بیٹھ کر اس کا دل بھلائے کو بے مقصد دھڑک رہی باتیں کرنے لگی۔

پھر رات ہوتے ہوتے بڑی لمبی چھوٹی لمبی آپاسی کوفن کر کے بتا دیا گیا تھا وہ بھی گئیں۔ مگر کاہر فرود کھی تھا۔

مگر مسئلہ یہ تھا کہ اب کچھ بھی ان کے اختیار میں نہیں تھا۔ یہ ایک تلخ ترین حقیقت تھی کہ منگنی ٹوٹ چکی تھی اور اب اس حقیقت کو بدل نہیں جاسکتا تھا۔۔۔۔ اس کو ہر کی تلقین کرتے ہوئے ہمیشہ بھی روہو کر فوس کرتے ہوئے رات کے لیے گھر لوں کو واپس چلی گئیں۔

88.....❖❖❖.....88

وہ خود ایک ہفتہ کا لجنہ جاکر کہ سمیوں سے کیا کیسے گی۔ ابھی تو اس کو سرین کی جھپتی ہوئی نگاہوں کا سامنا کرنا تھا جو اس کی منگنی کی صبح اپنی چھوٹی خالہ کے ہاں فیصلہ آباد جاکر تھی اور ابھی تک واپس نہ آئی تھی۔ لمدہ نے آنکھیں بے رحمی سے صاف کرتے ہوئے سوچا اس سے بہتر تو یہی تھا کہ یہ منگنی ہوتی ہی نہیں۔ اس ایک کیسے انسان نے محض اپنی خوشی کے لیے کتنے لوگوں کو کھینچا کیا ہے۔ رات لمان کہہ رہی تھیں تمہارے لبتار ہے تجھے خرم ہے بعد غصے میں ہے۔ وہ کہتا ہے اگر مجھے اس ذلیل انسان کا پھل جائے جس نے میرے ساتھ دو کھینچا کیا تکلیف پہنچائی ہے تو میں اپنے ہاتھوں سے اس کو جان سے مار دوں گا۔ وہ سب سن کر چپ رہی۔ دل میں سوچا اب تم مجھے اکیلے جاؤ پھر دیکھو میں تمہارا کیا حشر کرتی ہوں۔

اس دن بھائی کے کہنے پر وہ کاج چلی گئی۔ وہ لکڑی تو خرم خالہ میاں کے گھر داخل ہو رہا تھا۔ وہ شاید کھانا لینے یا تھا۔ لمدہ اپنے گھر جانے کی بجائے خالہ میاں کے گھر چلی آئی۔ وہ یہ بھول چکی تھی خرم کو کچھ کر کر سرین گھر نہیں۔ وہ جائے آئی تو خرم سامنے والے کمرے میں کھڑے سرین سے بات کر رہا تھا۔ یہ محض اتفاق تھا نہ پاس بھائی تھی نہ خالہ میاں۔ خود سرین شاید شاہد یعنی رات کو واپس آئی تھی۔ اس کو دیکھتے ہی ابھی جب کفر میں دروازے کی طرف پشت تھی۔

"اے لمدہ تم۔" خرم اس کا نام سننے ہی مڑا اور اس پر نظر پڑے ہی اپنی کامیابی پر مسکرانے لگا۔ وہ لمدہ کو سرے میں آئی تو سرین کو خرم نے کہا۔

"بھائی تم ذرا سی دیر کے لیے باہر جاؤ۔"

"ہی نہیں پہلے ہی لمدہ آپ کی وجہ سے مجھ سے ناراض ہوتی ہے۔ کمرے سے باہر اب آپ جائیں گے۔" سرین نے اپنے قریب لمدہ کو جھینٹے کا اشارہ کرتے ہوئے خرم سے کہا تو لمدہ نے سر ہلاتے ہوئے بولی۔ "مجھے نہیں جیننا تم باہر جاؤ۔ آج میں تمہارے ماموں سے صاف صاف بات کر رہی ہوں۔" سرین نے حیران ہو کر اس کو دیکھا پھر چپ چاپ باہر چلی گئی تو لمدہ نے خرم کو دیکھا۔ وہ آنکھوں میں شرارت لیے اس کو دیکھتے ہوئے اب بھی مسکرا رہا تھا۔ ذرا سی بھی مذمت اس کے چہرے پر نہیں تھی۔ سرین کے باہر نکلتے ہی اس نے دروازہ بند کر دیا۔ پھر لمدہ سے بولا۔ "اب کو کیا بات ہے۔ نہ یہ غصہ کدیم خود مجھ سے کچھ کہو۔"

"میری منگنی تم نے ختم کروائی ہے؟"

لمدہ نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"بے شک میں نے ہی ختم کروائی ہے۔" خرم نے بغیر کسی ڈر کے اعتراف کیا۔ پھر کہا۔ "مگر اس کا ذمہ دار میں نہیں ختم خود ہوں۔ میں نے تمہیں منع کیا تھا اگر تم نے میرا کہا لمان یا وہ تو مجھے یہ سب نہ کرنا پڑتا۔ جب میں نے کہہ دیا تم صرف میری ہڈی پھر۔"

"کو کیسے انسان اپنی فوٹات دیکھو وحشت دیکھو تمہارے پاس تو خود اپنے پہننے کے لیے اچھا لباس موجود نہیں مجھے کیا پہناؤ گے۔" لمدہ نے رک کر ایک حقارت بھری نگاہ اس پر ڈالی پھر کہا۔ "وہ لوگ جو کچھ منگنی پر میرے لیے لائے ہیں تم تو اتنا کچھ شادی پر بھی لانے کے قابل نہیں ہو۔" لمدہ کے لہجے میں ہی انہیں آنکھوں میں بھی شدید نفرت تھی۔

"وہ تو تمہیں محبت نہیں زیادہ کڑ لپکا ہے۔" خرم نے بھی زہر خند سے کہا۔

"لمان کہتی ہیں یہاں کوئی کسی سے محبت نہیں کرنا۔" لمدہ نے بتانا ضروری سمجھا۔ یہ سن کر خرم نے کہا۔

"یہ تمہاری لمان کا ذاتی تجربہ ہو سکتا ہے دوسروں کے بارے میں۔ انہیں ایسا کہنے کا حق نہیں۔ مجھے تم سے محبت ہے اور جب تک زندہ ہوں دیکھ لینا صرف تمہیں سے محبت کروں گا۔ جیسا چاہو جوت لے لو۔"

"مگر مجھے تم سے محبت نہیں ہے اور نہ ہی کبھی ہوگی۔ مجھے تم سے شدید نفرت ہے۔ تم نے یہ سب کر کے اچھا نہیں کیا۔ کیا لا تمہیں مجھے رسوا کر کے۔" بات ختم کر کے وہ روئے لگی۔ خرم نے پہلی بار نور اس کا چہرہ دیکھا۔ وہ رو کر چہرے کا کھڑک لپکا تھا۔ منگنی ختم ہونے کے بعد شاید یہ سارے دن روتے ہوئے ہی گزارے تھے۔ وہ اس کو برا بھلا کہنے کے بعد اب بھی رہی تھی۔ خرم چند لمحوں کو دیکھتا رہا پھر آہستہ سے کہنے لگا۔

"وہ شخص جس کو تم نے دیکھا نہیں تمہارا ہر خوشی منگنی پر بھی نہیں رہا جو محبوس بھی نہیں اس کے لیے یہ پریشانی یہ رونا یہ حالت۔" وہ کچھ پھر کہا۔ "جب کہ مجھے تم سے شدید محبت ہے اتنی زیادہ کہ ہر بل تمہیں ہی سوچتے گزرتا ہے۔ کان کھول کر سن لو لمدہ تم اگر میری زندگیوں کو تمہاری محبت کی قسم میں تمہیں کسی اور کی بھی نہیں ہونے دوں گا۔ اتنا کڑ نہیں ہوں میں کو کوئی مجھ سے میری محبت چھین لے۔" خرم نے انھوں سے لہجے میں کہا تو لمدہ چڑھ کر بولی۔

"محبت محبت تم کیا رہا تھا ہونے سب پر انے زمانے کی باتیں ہیں۔ تمہیں اپنے گناہ کا احساس تک نہیں۔ تمہیں لہ زہ نہیں کہ تم نے ایک شریف لڑکی کو تباہ کر ڈالا۔ کسی کو منہ دکھانے کے لائق نہیں چھوڑا۔" وہ روئے تو سکی تو خرم نے بجائے اس پر ترس کھانے کے حقارت سے لہجے میں کہا۔

"راجھا ایک گھٹیا عاشق تھا جو پہلے تو رہتا پھر جوگی۔ مجھے تو تمہارے گھر والوں کا تو کر بننے کا شوق ہے اور نہ ہی تمہاری محبت میں جوگی۔ ہاں ایسا دیر وقتہ تاؤ مرزا بن کر تمہیں لے کر آؤ جاؤں گا اور تم چاہو تو صاحب بن کر مجھے مار دینا یا مراد یا مگر شادی میں تمہیں کسی اور سے نہیں کرنے دوں گا۔ دیکھو! اب بھی وقت ہے میری محبت پر یقین کر لو۔"

"نہ کروں تو؟" لمدہ نے روئے روئے آنکھیں نکال کر اس کو دیکھا۔

"وہی بتا رہا ہوں۔ دوسری صورت حال یہ ہے لمدہ! ڈر کہ اب اگر تم نے منگنی کروانے کی کوشش کی تو میں تمہاری منگنی ختم کرنے کی کوشش ہرگز نہیں کروں گا بلکہ رات والے دن کا انتظار کروں گا اور اس دن تمہارے ہونے والے دوہرا کوٹھ کر کے خود کو پولیس کے حوالے کر دوں گا۔ یہ کہہ کر کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں اور تمہیں بھی مجھ

سے محبت ہے۔ یہ شادی تمہارے گھر والے زبردستی کر رہے تھے اس لیے میں نے دلہا کو مار ڈالا۔ تم ذاتی طور پر گھر والوں سے کچھ بھی کہنا کوئی تمہارا یقین نہیں کرے گا اور اگر میں جیل سے جلدی چھوٹ گیا تو پھر واپس آ کر تم سے شادی کروں گا اور۔۔۔۔۔

”میں تھوک دوں گی تمہارے منہ پر ذلیل انسان۔“ وہ رو تے رو تے چلائی۔ ”تم مجھ سے کبھی شادی نہ کر سکو گے۔ میں کسی سے بھی شادی کروں گی مگر تم جیسے فقیر سے ہرگز شادی نہیں کروں گی۔“

”میں تمہیں شادی کرنے میں دوں گا تو تم شادی کرو گی۔ اپنا سارا پروگرام تو بدلیا ہے میں نے تمہیں۔ یقین کر صرف میں ہی تم سے شادی کروں گا۔“ وہ پورے یقین سے مسکراتا تو لامہ نے کہا۔

”اگر یہ بات ہے اور تمہیں یہی خوش فہمی ہے تو تم بھی کان کھول کر سن لو تم سے شادی کرنے کے بجائے میں پھر کنواری بیٹھنا پسند کروں گی۔ اور یہ مجھ سے شادی۔۔۔۔۔“ وہ رو تے ہوئے واپس چل دی۔

دروازے کی دست مڑی خرم نے فری سے اس کا ہاتھ تھام کر رخت اور خاک لہجے میں کہا۔

”للمہ! امیر الیک ایک لکھیا رکھنا اور دوبارہ منگنی جیسی غلطی کر کے نہ خود تباہ و تاراج اپنے خاندان والوں کو رسوا کر دوں گا اور نہ میں وہی کروں گا جو کہہ چکا ہوں۔ باقی رہی تمہاری یہ بات کہ مجھ سے شادی کرنے کے بجائے تم پھر کنواری بیٹھنا پسند کرو گی تو ٹھیک ہے میں بھی تمہارے ساتھ کنوارہ بیٹھوں گا مگر یہ طے ہے کہ تمہیں کسی اور کی نہ ہونے دوں گا۔ اپنی بات ختم کر کے اس نے جھک کر لامہ کا ہاتھ پکڑ لیا پھر کہا۔ ”بھانجی بتا رہی تھی اس دن تم نے اپنی بی بیٹھنا مچھاڑ دی تھی اس لیے آج میں نے صرف ہاتھ پکڑنے پر ہی انکشاف کیا۔ تم کہتی ہو چھوٹا نہیں اور میں کہتا ہوں میں ہر بر ملا کات میں تیس چھتا رہوں گا کہ تمہیں چھوٹے کا حق تو صرف مجھی کو تو ہے۔“ اور پھر خدا حافظ کہہ کر خرم نے صرف ہاتھ چھوڑ دیا بلکہ آگے بڑھ کر دروازہ بھی کھول دیا۔

للمہ! نسو سنا کرتے ہوئے باہر چلی۔ سرین محسن میں ایک طرف کھڑی تھی مگر دھرمین سے بات کیے بغیر گھر چلی آئی۔

یو نظام بدل کر بے دلی سے کھانا کھایا پھر اپنے روم میں آئی۔ اپنے کمرے میں بیٹھی وہ اپنے منگیتے کو یاد کر کے روئی تھی۔ امریکہ میں بصر ف ڈاکٹر تھا خوبصورت تھا بلکہ نوجوان اور ایک امیر خاندان کا بیٹا۔ وہ کتنا خوش ہوتی تھی منگنی ہوئے پر مگر خرم نے بلب بلب میں ساری خوشیاں محض اپنی خوشی کے لیے خاک میں ملا دی تھیں۔ کیا محبت اسی کو کہتے ہیں۔ محبت میں تو دوسروں کے لیے قربانی دی جاتی ہے۔ وہ گھر میں کسی کو اس کی اس حرکت کے بارے میں بتا بھی نہیں سکتی تھی۔ بتاتی بھی تو یقین کون کرنا۔ سب سے پہلے تو لاس ہی کہتیں۔ ”وہ بے حد شریف لڑکا ہے تم تو شرم و عین سے ہی کھاتی ہو اس سے غار۔“ ممبر اور خاموشی کے علاوہ کوئی باران تھا۔ وہ انہی سوچوں میں گم تھی کہ اپنا تک سرین روم میں داخل ہوئی۔

للمہ نے اس کو دیکھا پھر سر جھکا لیا اور سرین نے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے اس کو ہنگے سے لگایا تو وہ اور بھی شرم سے رو نے لگی۔ سرین کی اپنی آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے۔

پھر اس نے کہا۔ ”میں تو کل رات ہی آئی تھی۔ خالہ کا بیٹا چھوڑنے آیا تھا۔ رات تو سب اس کے ساتھ باتوں میں لگے رہے، منج وہاں شہ کر کے چلا گیا تو ابھی بھابی نے منگنی ٹوٹنے کی بات بتائی۔ مجھے بہت دکھ ہوا۔ میں اسی وقت تمہارے گھر آئی تو بھابی نے بتایا تم آج پہلے دن ہی منگنی ٹوٹنے کے بعد کالج گئی ہو۔“

”یہ سب تمہارے ماموں کی وجہ سے ہوا۔“ للمہ نے رو تے ہوئے کہا۔

”نہیں المامو! ماموں ایسے نہیں۔“ سرین نے جلدی سے کہا تو لامہ الگ ہوتے ہوئی۔

”اس کہنے نے ابھی ابھی خود تمہارے گھر ہتھ کر لیا ہے۔ مجھے ہی تمہیں بتانا یا ذرا پس اس نے منگنی ہونے سے پہلے ہی مجھ سے منگنی دی تھی کہ اگر میں نے یہ منگنی کر وائی تو وہ ختم کروں گا اور اس نے وہی کیا جو کہا تھا۔ پتا نہیں کس کے والوں سے کیا کہا ہوگا جو انہوں نے فوراً منگنی ختم کر دی۔ یہی کہا ہوگا کہ لڑکی خراب ہے۔ اس پر دھڑکی کہ مجھ سے محبت ہے۔“ لامہ چپ ہوئی تو سرین نے کہا۔

”اگر یہ بات ہے تو میں ماموں سے ضرور پوچھوں گی۔“ پھر وہ لامہ کو بڑے قہر سے کر بٹھائی۔

کو کہہ لکہ منگنی ٹوٹنے پر سب ہی غمزدہ تھے مگر اب یہ غمزدگی ختم ہو چکی تھی۔ گھر میں بھی بیٹھنے بولے گئے تھے سوائے المامہ کے۔ اس کو اپنے منگیتے سے محبت نہیں تھی مگر وہ سوچتی تھی پتا نہیں دوبارہ ایسا رشتہ طے کیا بھی یا نہیں مگر وہ یہ کہ منگنی ختم ہوئے ابھی ایک ماہ ہی گزر رہا تھا کہ ماسی اشرف اس کے لیے ایک اور اچھا رشتہ لے کر چلی آئی۔ شاید اس کے اپنے دل پر بھی یہ رشتہ ٹوٹنے پر چوٹ پڑی تھی۔ یہ بھی کوئی بات تھی کہ آج منگنی کی اور کل ختم کر دی۔

انہوں نے آج ہی لاس سے کہا۔ ”آپا رشتہ ان لوگوں سے بھی اچھا ہے۔ لڑکا ہے منگنی ڈاکٹر کی مگر اہم بات یہ ہے کہ نکلتا ہے۔ بعد امیر خاندان اور لڑکا ہے بھی پاکستان میں آپ ٹی ڈالیں ان لوگوں پر اور میرے ساتھ لڑکا دیکھنے چلیں۔“ لاس تو کیا جواب دیتی خرم کے خوف کی وجہ سے المامہ نے خود ہی فی الحال شادی کرنے سے انکار کر دیا۔ اچھی طرح جانتی تھی خرم نے جو کہا ہے وہ ہرگز رگے گا۔ ابھی تو صرف میری رسوائی ہوئی ہے پھر سارے خاندان کی ہوگی۔ بہتر ہے شادی سے ابھی انکار کر دیا جائے۔

مگر گھر میں کسی نے بھی اس سے اختلاف نہیں کیا۔ یہ سوچ کر کہ ابھی خرم تازہ ہے۔ یہ یاد دہر دینا مناسب نہیں اور پھر ابھی مری کتنی ہے صرف 19 سال ہی تو ہے۔ کچھ عرصہ بعد جب بھل جائے گی تو پھر شادی کی بات کریں گے۔ یوں لامہ کا مسئلہ بغیر کسی پریشانی کے قہقی طور پر حل ہو گیا۔

88 ❖ ❖ ❖ 88

سرین کی شادی کی تیاریاں ان دنوں مروجہ پر تھیں۔ سب تو لامہ بھی مکمل طور پر اپنا منگنی ولا صدمہ بھول کر پوری طرح اپنی پڑھائی کی طرف متوجہ ہو چکی تھی۔ سرین کے گھر جانا وہ ایک بار پھر چھوڑ چکی تھی۔ سرین ہی کبھی اپنی شادی کی سرحدیات سے غم نہ کھال کر اس کو لطفے باقی تھی کہ خرم نے سرین کے پوچھنے پر منگنی ختم کروانے کا اقبال جرم کر لیا تھا اور کہا تھا کہ وہ اپنے دل کے ہاتھوں مجبور تھا اور یہ کہ اس نے ان لوگوں کے سامنے لکہ کوڑا لڑکی نہیں کہا تھا بلکہ یہ کہا تھا کہ وہ للمہ سے محبت کرتا ہے اور للمہ بھی اس سے محبت کرتی ہے۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے بغیر نہیں رہ سکتے۔ آپ یہ منگنی ختم کر دیں دوسری صورت میں۔۔۔۔۔ بارات والے دن میں دولہا کو شوٹ کروں گا اور وہ لوگ اتنے بڑے دل سے کہ بغیر سوچے کچھ فوراً منگنی ختم کر دی۔“ سرین کو یہ سب سن کر بے حد غصہ ہوا تھا مگر اب ماموں سے کچھ کہنا بے کاری تھا کہ جو کام دہا تھا وہ ہو چکا اس لیے اب وہ خود بھی لامہ کو اپنے گھر آ کر لے لے کر نہیں کہتی تھی۔

پھر باختم وہ اپنی اس حرکت پر ذرا سامی شرمندہ نہیں تھا بلکہ اتنی جلدی آسانی سے ٹل جانے والی اپنی کامیابی پر خوش تھا۔ وہ جب استاد کی روٹی لیتے آتا اور ایسے میں کبھی اتفاق سے المامہ سے سامنا ہوتا یا جاتا تو وہ اس کے سامنے سے گریز کرتی تھی۔

سرین کی شادی کی ڈیٹ فکس ہو گئی تھی۔ اپنی شادی سے چند روز پہلے وہ بطور خاص دوست ہونے کے ساتھ المامہ کو خود انوائٹ کرنے آئی اور للمہ کو کارڈ دینے اور چند لاکھ اور کی باتیں کرنے کے بعد بڑی شجیدگی سے پوچھا۔

”للمہ! اب تم نے ماموں کے بارے میں کیا سوچا ہے؟“

”کیا مطلب؟“ المامہ نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے کہا۔

”یار ماموں میں کی ہی کیا ہے۔ تم سے سچی محبت کرتے ہیں۔ انہوں نے جو بھی کیا تمہاری منگنی کے حوالے سے اپنے دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر۔“ مگر المامہ سرین کی بات مکمل کرنے کی مہلت دینے بغیر غرائی۔

”اگر اپنے ماموں کے بارے میں مزید بکواس کی تو تمہاری شادی پر نہیں آؤں گی۔ اس کہنے نے پہلے میری منگنی ختم کر وادی اور اب مجھ پر شادی نہ کرنے کا حکم لگا رہا ہے۔ بے وقوف اپنی اوقات بھول چکا ہے۔ خدا کرے۔“ سر جانے وہ بھی بہت بری موت تا کہ اس عذاب سے میری جان چھوٹ جائے۔“ المامہ نے بد دعا دی۔

”ایسا نہ کہو! لامہ! اپنی ماں کا نکلتا سہا رہا ہے۔“ سرین نے تڑپ کر کہا۔

”اگر یہ بات ہے تو اس کا ذرا دوبارہ میرے سامنے بھی نہ کرنا۔“ المامہ نے کہا تو سرین نے خاموشی سے سر ہلادیا۔ پھر ابا زت لے کر چلی آئی۔ وہ جب المامہ کے پاس آ رہی تھی تو خرم نے خود اس کو کہا تھا وہ اپنے طور پر خود اس کے حوالے سے المامہ سے بات کر کے دیکھ لے کر آئے کے بعد سرین نے خرم کو بتا دیا۔

”ماموں! وہ آپ کا ذرا سن بھی پسند نہیں کرتی۔ آپ بھی اپنے دل سے اس کا خیال نکال دیں۔ آپ کے لیے لڑکیوں کی کمی تو نہیں۔“

”لڑکیوں کی کمی تو نہیں بھانجی مگر یہ دل نہیں مانتا۔“ خرم نے جواب دیا پھر بہت سوچنے کے بعد اس نے فیصلہ کیا کہ وہ خرمی بار لامہ سے بات کر کے دیکھے مگر مشکل یہ تھی کہ منگنی ختم ہونے والی تو لڑکیوں کے بعد وہ دھرمین کے گھر آ کر بالکل چھوڑ چکی تھی خرم نے سوچا اب سرین کی شادی پر ہی بات کرنے کا موقع مل سکتا ہے اور وہ ہی ہے یقینی سے شادی کا انتظار کرنے لگا مگر وہ یہ کہ ماموں تو کیا مہندی کی رسم بھی ہو گزری مگر اپنی ہزار کوشتوں کے باوجود المامہ سے ملنا تو دور کی بات وہ اس کو بیٹھ کر دیکھ بھی نہ سکا۔ وہ اس کے جھوٹے کی طرح اس کے سامنے سے گزرباتی تھی۔ جس گاڑی کو خرم چلا تا وہ اس گاڑی میں بیٹھنا بھی پسند نہیں کرتی تھی۔ ماموں پاپا ف وائٹ کمر کے سوٹ میں نکل سیک اپ کے ساتھ پوچھی نکل گئی میں اس کے کمرے کے کمرے سے پاؤں اور وہ خود کتنی پیاری لگ رہی تھی۔ خرم کا دل اس کو اپنی باتوں میں بھرنے کو بھل چل گیا مگر وہ اس کو زیادہ دیر دیکھ بھی نہ سکا۔ پھر مہندی والی رات بھی یہی ہوا۔ مہندی کمر کے لنگے میں دھامیوں والے دن سے بھی زیادہ پیاری لگ رہی تھی۔ بالکل گڑباز بیٹی مسکرتی، کھلکھلائی مگر یہ سب خرم کے لیے نہیں تھا۔ اس کے گھر کے اندر اس کے قریب ہوئے کا موقع ملا نہ بار اور تھک پھر خرم نے سوچا اگر بارات وہاں بھی نہ ہوئی گز گیا تو پھر شاید کبھی بھی بات کرنے کا موقع نہ ملے شادی کے بعد تو سرین کو بھی اپنے سرسری رہتا تھا۔ یہی وجہ تھی بڑی کوشش سے اس نے یہ موقع حاصل کر لی لیا۔ جب مہمانوں کے لیے کھانا کھولا گیا اور سب لوگ کھانے پر ٹوٹ پڑے تو وہ لوہا یا کڈھیں بن کر ہو کر سرے میں بیٹھنا تھا۔

وہ جلدی جلدی لوہا یا کڈھیں بھاٹی کا ہے۔ اگر کمرے کے اندر جا کر اس کو باہر جانے کا کہا تو وہاں گئی نہیں۔ آخراں نے سرین کو کمرے سے باہر لانے کی ترکیب



سوجھ سی کی اور پھر اپنی ترکیب پر خود ہی مسکرایا۔ وہ اویڑا کہ۔ کمرے کا دروازہ کھلا تھا اور دروازے کے سامنے ہی لگائے گئے سونے پر لامہ لٹان کی نسرین کے پاس بیٹھی باتوں میں مصروف تھی۔ وہ اس کو بے تابیت سے دیکھنے لگا۔ آج اس نے فرفروزی کمرے کے سادہ چوڑی دار پا جائے اور قیص کے ساتھ بھاری کام والا دوپٹہ کاندھے پر ڈال رکھا تھا اور پاؤں میں ہم رنگ کھدہ پہن رکھا تھا۔ اس نے خرم کو دیکھتے ہی کانچیں جھکا لیں اور خرم نے جھن میں کھڑے کھڑے جب سے اپنا وارث نکالا پھر اس میں سے ایک بڑا روپے کا نوٹ نکال کر نسرین کے کمرے کی طرف لپکا۔ نسرین بڑا نوٹ دیکھ کر گنگھی ماموں اس کو شاید ملا دی دینے آئے ہیں اس لیے خوش خوشی اپنا بھاری کام والا الہنگا سنبھالتی باہر صحن میں خرم کے کمرے کی طرف آئی اور اس کے لیے تفریحی جگہ پر آئی۔ خرم نے کمرے کی جانب دوڑ لگادی اور اندر داخل ہوتے ہی دروازہ بند کر لیا۔ نسرین پکا پکا دھکیلتی رہ گئی۔ پھر جلدی سے سیز جیوں کی جانب لپکی اور نیچے جھکا کر کوئی اور نوٹ پوچھیں آ یا اور دل میں سوچا اگر ایسے میں کوئی نوٹ آتا تو کتنی بدنامی ہوگی۔ ماصرف لامہ کی جگہ ساتھ میری بھی۔ یا خدا اب عزت رکھنا اور پھر شاید زندگی میں پہلی بار اس نے سوچا۔

لامہ ٹھیک ہی کہتی ہے تمہارا ماموں پکا بد معاش ہے۔ افسانہ خدایا کیا اب کروں۔ بات کرنے دوں یا دروازہ کھک کر دوں۔ پھر اس نے سوچا اب اگر ماموں نے یہ سب محنت کی ہے تو بات نہ کر لی لیں اور ایک طرف کھڑی ہوگئی۔ لامہ بھی کتنی ہی کثرت میں خرم کو پیسے دینے کے لیے بلایا ہے لیکن جب نسرین کے باہر جاتے ہی وہ دوڑ کر کمرے میں داخل ہوا اور پھر دروازہ ہلاک کر کے اس کی جانب مڑا تو وہاں سے غصے اور خوف سے کھڑی ہوگئی بلکہ پے سے باہر ہوگئی کہ اس کیسے انسان کو اپنی خواہش اور خوشی مزید جتنی دوسرے کی عزت کا خیال تک نہیں۔ خاک میں ملتی ہے تو لی جائے یہی وجہ ہے اپنی جانب بڑھتے ہوئے خرم سے سخت لہجے میں کہا۔

”کوئی مل بے غیرت انسان میرے قریب مت آ۔ چھو نہیں مجھے اور اگلے ہی لمحے اس کے منہ سے سسکی نکل گئی۔ کچھ اتنے ہی زور سے قہقہہ مارا تھا خرم نے اس کے نرم و نازک گل پر پھر دھاوا۔

”کیا بے غیرتی ہو رہا ہے کہ تم کرتے دیکھا ہے تم نے۔ کس حوالے سے مجھے بے غیرت کہا عزت کو تو ہے تمہاری میں نے یا چوری کرتا ہوں ڈاکے ڈالتا ہوں جس فروخت کرتا ہوں یا پیر و کن پیتا ہوں۔“ خرم اس کے مایوں اور ہنسی والی رات والے رویے سے تپا ہوا تھا اس لیے خود کو کنٹرول نہ کر سکا اور اس کا ہاتھ اٹھ گیا اور لامہ ہم کر دیا اور سے جاگئی۔ اس کا خوشی والا یہ روپے آج پہلی بار سامنے آیا تھا۔ وہ اب بھی سامنے کھڑا اس کو گھور رہا تھا۔ لامہ کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے مگر اس پر کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔ وہ اپنی ہی کہہ رہا تھا۔ ”میں دیکھنے کو تو ترس جاتا ہوں بات کرنے کو تو ہر بات ہوں فورم نے مجھے مزید ترپانے کے لیے خود کو گھر کے اندر قید کر رکھا ہے۔ نسرین کے پاس آنا بالکل چھوڑ دیا تم کیا سمجھتی ہو تمہارے عیا کرنے سے میں تمہیں بھول جاؤں گا یا تمہارا پیچھا چھوڑ دوں گا۔ کبھی نہیں۔“ اس نے خاموش ہو کر اسے دیکھا اور پھر کہا۔

”آج آخری بار پوچھ رہا ہوں پھر کیا فیصلہ کیا ہے تم نے میرے بارے میں؟“

”میں کبھی آخری بار کہہ رہی ہوں کہ مجھے سے سوا دیکھی پوچھو گئے میرا جواب یہی ہو گا تم جیسے فقیر سے شادی کرنے کی بجائے میں پھر کٹوری رہتا ہوں کٹوریوں کی۔“ لامہ نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے شدید غصے سے کہا۔ اس کا جواب سن کر خرم کے ماتھے پر کئی گل پڑ گئے۔ وہ چند لمبے لامہ کو گھورتا رہا پھر کہا۔

”کٹوری نہیں جیسے وہوں گا میں تمہیں۔ کچھ نہ کچھ انتظام کر ہی لوں گا میں تمہارا۔“ وہ نکا ایک بیکٹر کو پھر بولا۔ ”کیا کہتا ابھی تم نے؟“ چھو نہیں۔ میں چھو نے لگا ہوں تم روک سکتی ہو تو روک لو۔“ بات ختم کرتے ہی خرم نے دونوں ہاتھوں میں اس کا پھر پھر اور اس کی چوٹی پر اپنی محبت کی میراث کر دی۔ جبکہ باہر کھڑی نسرین نے جب دیکھا کہ کافی فاصلہ ہو گیا ہے مگر دروازہ کھلنے میں نہیں آ رہا اور نیچے سے اب کوئی بھی اویڑا سکتا ہے تو دونوں ہاتھوں سے دروازہ پھینٹے ہوئے زور سے چیختی۔

”ماموں خدا کے لیے اب بس کریں اور دروازہ کھول دیں۔ اپنی نہیں تو بھانجی کی عزت کا خیال کریں۔“

نسرین کی آواز سن کر خرم نے چونک کر پھر دھاوا کیا۔ پھر لامہ کو چھوڑ کر الگ ہو گیا بلکہ وہ دم پیچھے ہٹ کر اس کو دیکھا۔ لامہ نے فوراً ہٹا دیا جھکا لیں اور خرم نے ہاتھ بڑھا کر اس کی شہرزی پکڑ کر پھر دھوپ اٹھایا پھر سٹاک لہجے میں کہا۔

”یا رکھنا آج سے تم میری امانت ہو میں تمہیں چھو چکا ہوں کوئی دوسرا یہ بات نہیں کر سکتا۔“

چند لمبے اس کو گھورتے والے لمحے لڑا میں دیکھتا رہا۔ پھر فرمایا۔

”شادی نہیں کرنا لامہ! شادی نہیں کرنا۔ یہ سن کر ہی میں پاگل ہو جاؤں گا کہ تم میری نہیں رہیں۔ تیار کر ڈالوں گا رسوا کر ڈالوں گا پھر میں تمہیں لوڑ تمہارے خاندان کو مجھ سے کسی نری یا معافی کی امید کبھی نہ رکھنا۔ کتنی بار پوچھا ہے مگر ایک ہی جواب ایک ہی ضد ہے کہ تمہیں موزملک سے شادی نہیں کرنا تم آج بھی اپنی ضد پر قائم ہو تو ٹھیک ہے اب مجھے صرف پانچ برس دے دو۔ پانچ برس بعد میں تمہارے معیار کے مطابق بن کر تمہارے پاس چلا آؤں گا۔ اور سونپی اس کرنے کے بعد تمہیں مزید آگے بڑھنے کی ضرورت نہیں کہ تعلیم میری میٹرک ہی رہے گی۔ تمہیں پسند ہی اسے پرائے۔ ایم بی اے کر لیا تو ساری زندگی میری عذاب بنادو گی۔ اب میں تم سے صرف اس وقت بات کروں گا جب تمہارے معیار کے مطابق بن کر تمہارے سامنے آؤں گا۔“ اس نے آخری بار نرنا اس کو دیکھا پھر دروازے کی سمت بڑھا اور کھول کر باہر نکلا۔

دروازے کے قریب ہی نسرین پریشان کھڑی تھی۔ خرم ایک نظر اس پر ڈال کر سیز جیوں کی طرف بڑھا۔ خرم نے رک کر اندر دیکھا۔ لامہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر لوٹتی آواز میں رو رہی تھی۔ وہ ہر جھٹک کر سیز جیوں کی جانب بڑھ گیا اور زبردست کہا۔

”بے سکون اگر مجھے کیا ہے تو سکون سے لب تمہیں بھی نہیں رہتے۔ دونوں گاہور نہ ہی بی اے کے بعد پڑھنے والوں کا گھر نہ ہی شادی کرنے والوں کا۔ تم میری دھمکی میری۔“ یہ کہتے ہوئے سیز جیوں اتر گیا۔ وہ نیچے آتا ہی کہا، چل رہا تھا۔ وہ سیز جیوں کے غم سے باتیں کرنے لگا۔ مگر حیا ان سارے کا سارا روتی ہوئی لامہ کی طرف تھا۔ پھر باقی رسوں کی لوانگی کے بعد نسرین کی شخصیت کا بدلتا ہوا پچھلا۔ دلہن کے بھائیوں کے ساتھ لہو لہا یا نسرین نے نیچے لامہ کے پاس ہٹ چکی تھی۔ لامہ اس کے پاس آگئی مگر روتی روتی اور یہ کوئی محبوب بات نہیں تھی کہ اس کی عزت بیکلی جد اور رہی تھی۔ رہا تو تھا ہی اسے تاہم وہ سیک اپ پھر سے کر چکی تھی۔ نسرین کے درخواست ہوتے ہی وہ بھی اپنے گھر چلی گئی۔

لامہ نسرین سے ٹھٹھکی گریہ بھی جانتی تھی کہ وہ صحرے کے لہو لہا تھا۔ تاہم اس نے نسرین سے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ تمہارے بد معاش ماموں کی وجہ سے اب میں تمہارے ویسے میں شامل نہیں ہوں گی۔ بڑی مشکل سے نسرین نے اس کو ویسے پانے کے لیے راضی کیا تھا۔

88 ❖ ❖ ❖ 88

ویسے والے دن اس کے گھر کے سب لوگ گاڑیوں میں بیٹھ چکے تھے۔ جب خالہ میداں اس کو خود لینے لے گئیں کہ نسرین ان کو اس بات کی تاکید کر کے گئی تھی کہ جب سب گاڑیوں میں بیٹھ جائیں تو وہ خود گاڑی کو لے کر آئیں ورنہ وہ نہیں آئے گی۔ لامہ خالہ میداں کے ساتھ باہر آئی تو خرم ان کے گھر کے دروازے کے سامنے ہی کھڑا تھا۔ لامہ کو دیکھتے ہی ایک بھر پونظر اس پر ڈالی تو لامہ نے نکلیں جھکا لیں۔ اس نے سفید رنگ کی ساڑھی پہن کر تھی جس پر جاشی ستاروں سے کام بنا ہوا تھا۔ ایک اپ بھی روز کی طرح نکل کر نکلتا تھا۔ بال بکے جڑے کی شکل میں پلٹ کر پیچھے گردن پر ڈال رکھے تھے۔ ساتھ نکل نکل کر دو لڑکی ہی جاشی اور سفید جوتی پہن کر تھی۔ خرم سب سے لاپرواہ تک اس کو دیکھتا رہا جب تک وہ سیز جیوں کی گاڑی میں بیٹھ نہیں گئی اور دل میں اپنے مستقبل کا سوچتا رہا۔ انجام جو بھی ہو اب جو سوچا ہے وہ اب کر ڈالوں گا ماں مانے یا نہ مانے۔ اس نے خود گاڑی کے کدے لڑ میں کہا اور پھر اس گاڑی کی جانب بڑھ گیا جو اسے خود ڈرائیو کرتی تھی۔

نسرین کی شادی کو ابھی ایک ماہ ہی ہوا تھا۔ اس دن چھٹی تھی اور وہ حسب معمول چائے کے ساتھ سہ پہر کے ٹائم پکڑے گل ریح تھی جب لاکھ آؤں گی۔ وہ سامنے لاؤنچ میں ماں کے ساتھ صوفے پر بیٹھتے تھے اور کہہ رہے تھے۔

”تم ٹھیک کہہ رہی ہو خرم کو ماں کی تہانی کا خیال کرنا چاہتا تھا۔ میں نے خود بھی اس کو سمجھایا تھا مگر پھر اس کی ایک ہی بات نے مجھے خاموش کر دیا۔ خرم نے کہا ”استاد ہمارا گھر نہیں۔ اس تنخواہ میں گھر بھی نہیں سکتا۔ آپ اپنے گھر کے مالک ہیں اس لیے نہیں جانتے دو گھر کے کرایے دار کو کوئی اپنی بیٹی کا رشتہ دینا بھی پسند نہیں کرتا۔ میں بیسہ کمانے باہر جانا چاہتا ہوں مگر آپ کی اجازت سے کہ میں آپ کو اپنا استاد ہی نہیں اپنے والد کی جگہ بھگتا ہوں۔“ نسرین نے اجازت دے دی اور پر سوں وہ دینی چلا گیا ہے خدا اس نیک بچے کو خدا و ہر ذوق دے۔ وہ جس مقصد کے لیے گیا ہے اللہ اس میں اسے کامیاب کرے۔“

”آمین!“ ماں نے جلدی سے کہا۔ لاپرواہی اس کے بارے میں بہت کچھ کہتے رہے جو ظاہر ہے خرم کی تعریف ہی تھی۔ اس نے جلدی جلدی سب کو چائے پکڑے دے پھر اپنا چائے والا لگ لیے اسے روم میں لے آئی۔ دل سے سوچ کر ہی خوشی سے جھوم اٹھا تھا کہ آج سے وہ بھی آؤنچی۔ انجہ نہ پچھتاؤ اب بد معاش ہے یہ صرف میں جانتی ہوں۔ لامہ نے غصے سے سوچا۔ اپنے روم میں بیٹھے ہوئے خرم کو برا بھلا کہتی رہی۔ اس نے اپنی چائے ختم کی اور پھر ایک طرف رکھ کر خود سکون کی ایک گہری سانس لے کر بستر پر لیٹ گئی۔ بہت بے چین کرنے والی راتوں کے بعد وہ آج ایک پرسکون نیند سوئے لگی تھی۔

آج سے سندھ کی کسی کھادوں کی زندگی نہ بھرانی میں۔

شادی کے بعد نسرین پہلی بار اس کو ملنے لے آئی۔ وہ اب اس تھی۔ لامہ نے اداسی کی وجہ پوچھی تو نسرین بولی۔

”تمہیں شاید معلوم نہیں ماموں ملک چھوڑ گئے ہیں تمہاری وجہ سے۔ بیسہ کمانے کے لیے اپنا گھر بنانے کے لیے تم نے انہیں دو گھر کے کرایے دار کہا تھا۔“

”فضول ہے اس کا جانا۔ اگر وہ میرے لیے گیا ہے تو اس کو نہیں جانا چاہیے تھا کہ وہ کتنا بھی بیسہ کمانے ”تعلیم تو اس کی میٹرک ہی رہے گی۔ وہ امیر ہو جائے گا اپنا گھر خرید لے گا مگر رہے گا تو معمولی موزملک۔“ لامہ کے لیے جس حقارت ہی حقارت تھی۔ یہ دیکھ کر نسرین نے کہا۔

”اب تو ایسا نہ کہو لامہ! ماموں صرف تمہاری وجہ سے گئے ہیں۔ وہ تم سے محبت کرتے ہیں۔ تمہارے معیار پر پورا اترنے کے لیے وہ۔“ مگر لامہ نے غصے سے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

”بکواس بند کر دو پچی محبت کرتا ہے لڑکی کتنی ہے یہاں کوئی کسی سے محبت نہیں کرتا۔ ویسے بھی وہ مجھ سے لاکھ محبت کر لے۔ مجھے تو ذلیل کینے سے شدید غصہ ہے۔ کینے

ماں کا ہاتھ تھام کر دوبارہ بٹھا جے ہوئے ان کو چلی باریجیت اور فری سے کہا۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK



”عالیٰ انجینس آپ میں ابھی آپ کے لیے چائے بنا کر لاتی ہوں۔“ اور کچن میں چلی گئی۔ لاس اور بھائی نے حیران ہو کر ایک دوسرے کو دیکھا اور اس وقت مزید حیران ہو گئے جب لالہ نے کھانے کیڑے ان کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔

”لاس آپ پہلے کھانا کھائیں۔ جب تک میں چائے بنا کر لاتی ہوں اور پھر کچن میں چلی گئی۔ پھر خرم کی ماں کے لیے دودھ پتی بنا رہے ہوئے اس نے خود کھائی کی۔“ آپ میرے لیے نئی زندگی کا پتہ لائے گا؟“ اب انعام میں یہ کھانا اور پائے حاضر ہے۔“ اور مسکرا دی کہ لاس اور بھائی کی حیرت ان کے چہرہ پر لکھی ہوئی تھی۔ اس کو خرم کی ماں کے لیے کھانا لاتے ہوئے دیکھ کر وہ مزید حیران ہوئی تھیں۔ خرم کی ماں نے کھانا کھانے کے بعد چائے بھی پی لی اور مزید کچھ چربا تیں کرنے کے بعد یہ کہہ کر چلی گئیں کہ اب وہ چند روز تک گاؤں کو نہیں چلی جائے گی اپنے دیہ کے پاس۔ یہاں وہ کرب مجھے کراہی کیا ہے۔ وہاں سب رشتے دار ہیں اور پھر میری سہیلیاں بھی وہاں ہیں۔ دل بھل ہی جائے گا۔ یہاں تو آج کل میرا دل گھبرانے لگا ہے۔

ان کے جانے کے بعد بھی لاس اور بھائی کا خرم کی شادی پر تبصرہ جاری تھا۔ لاس کا وہ اب بھی خرم کے حق میں تھا۔ وہ کہہ رہی تھیں ”نہ جانے ایسی کیلیات ہوئی جو خرم نے شادی کر لی۔ ورنہ کڑوا کھانا نہیں تھا۔ اب وہ پاکستان آئے تو پتا چلے اصل بات کیا ہے۔“ ان ساس بہو کو خرم کی باتوں سے فرحت نہیں تھی جب کہ لالہ چاہتی تھی وہ ایک بار پھر اس سے رشتے کے لیے پوچھیں کہ وہاں کر کے ان کو خوش کر سکتے مگر جب لاس خرم کو بے گناہ ثابت کرنے میں لگی رہیں تو وہ بھی بے دلی سے انھیں کی اور اس کو اشتادہ کچھ کر لاس کو پیسے کچھ دیا گیا اور انہوں نے محبت سے پوچھا۔

”لالہ ازلت کو تمہاری خالہ اشرف کو فون کر کے پوچھتا ہے۔ پھر کیا کہیں اس کو یہ بات چاہو۔“

”ہاں کہہ دیں۔“ کہہ کر لالہ مارے شرم سے کہ ان کے پاس اس کی نہیں تھی اور اس کی بات ہاں میں سن کر لاس بھائی اور کزن نے بھی حیران ہو کر جاتی ہوئی لالہ کو دیکھا۔ ایک دوسرے کو کچھ تو قصہ بظہر ماں نے کہا۔

”رب کا شکر ہے یہ ٹوکی مان گئی۔ چل کر ابھی ماسی اشرف کو فون کر کے کہہ دو کہ وہاں ہی ٹوکی کو الوں کو لے کر آ جائے۔ اب دیر کرنا مناسب نہیں۔“

”لاس اس وقت ماسی گھر پر نہیں ہوتی آپ بھول گئی ہیں۔ فون تو رات ہی کو ہوگا۔“ کزن نے بتایا تو لاس بولیں۔

”خوزیہ اب مگنی وغیرہ کے پکڑ میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔ ہاں ہوتے ہی فوراً شادی کا کہہ دیں گے اور شادی سے پہلے خاندان محلے میں کسی کو کچھ بتانے کی بھی ضرورت نہیں۔ پتہ نہیں وہ کون کینہ ہے جس نے میری مصوم بیٹی کی مگنی ختم کروا کر اس کو تکلیف دی۔ کوشش کے باوجود اس کا پتا نہیں چلا اس لیے اس بار شادی ہونے تک کسی کو کچھ بھی بتانے کی ضرورت نہیں۔“

”بی ای ای آپ ٹھیک کہتی ہیں۔“ خوزیہ نے ای کی بات سے کبھی انکار کیا ہی نہ تھا۔ باقی رہی پاس بیٹھی کزن تو وہ بہت کم کوئی۔ صرف منی ہی تھی۔ بہت کم ہی تھی۔ رات کزن نے نمبر ملا کر دیئے۔ لاس نے ماسی اشرف سے خوبات کی اور کہا۔

”اشرف اکل ہی ان لوگوں کو لے کر آ جاؤ پہلے ہی بہت دیر ہو چکی ہے۔“

”میں ابھی ان سے بات کر کے نکلتی ہوں۔ پھر جو نام اور دن وہ بتائیں گے وہ میں آپ کو بتا دوں گی۔“ کہہ کر ماسی اشرف نے فون بند کر دیا۔ مگر چند منٹ بعد ہی ان کا فون بجھا گیا اور ماسی اشرف نے کہا ”وہ لوگ تو رکتے نہیں گے۔ اور سننا پاؤں کو پہلی لالہ کی مگنی کا تانا نے کی کوئی ضرورت نہیں۔“

”اسے لہذا دریاغ خراب ہے جو پہلی مگنی کا ذکر کریں گے مگر اشرف تو ازلہ ابھی بہت دور ہے۔“ لاس نے کہہ دیا۔

”اتنی بھی دور نہیں ہے۔ آج وہ ہے۔ باقی چار دن ہیں۔ جہاں اتنا انتظار کیا ہے وہاں یہ بھی کریں۔“ ماسی اشرف نے پشیمے ہوئے کہا۔ جانتی تھیں پہلی مگنی ختم ہونے پر ٹوکی ہنسنے لگی تھی شادی سے۔

”چھٹھیک ہے، جیسام کہہ کر اس بار ڈر دیکھ بھال کر لانا ان لوگوں کو۔“ لاس نے کہا۔

”اسے لاس کسی باتیں کرتی ہو۔ لالہ میری اپنی بیٹی ہے۔ میں اس کے لیے بہت اچھا رشتہ دار ہی ہوں۔“ اور لاس نے فون بند کر دیا۔

لالہ نے شادی کے لیے ہاں کر کے ان کے دل کا بوجھ ہلکا کر دیا تھا۔

کل لالہ کو دیکھنے کے لیے ٹوکی کو لے کر رہے تھے اور بہت عرصہ بعد وہ بہت خوش تھی۔ اس نے سوچا چلو شکر ہے کہ میں نے خود شادی کر لی تو مجھے بھی اپنے آپ شادی کرنے کا حق مل گیا۔ اچھا ہے ذلیل انسان سے میری جان چھوٹ گئی۔ کوئی کہتا تھا مجھے تم سے جی محبت ہے اور یہ کہ کنواری نہیں بیٹھنے دوں گا میں تمہیں کچھ نہ کراؤں گا اور اب خود ہی شادی کر کے بیٹھ گیا۔ لاس ٹھیک ہی کہتی ہیں یہاں کوئی کسی سے محبت نہیں کرتا۔ سب گھروالے سوچتے تھے مگر اس کو مارے خوشی کے نیند نہیں آ رہی تھی۔ ماسی فون کی رنک ہونے لگی۔

فون کا ایک میٹ اس کے اپنے روم میں تھا تو دوسرا برائون میں سب کے سننے کے لیے۔ لالہ نے جلدی سے سیور اٹھا کر تلو کہا۔ اور اٹھنے کی لمحے ساری خوشی خاک میں پٹی ہوئی نظر آئی کہ دوسری سمت خرم تھا۔

”لالہ! ایم ہونا۔“ وہ ٹھیک ٹھیک آواز میں پوچھ رہا تھا۔ لالہ نے جواب دینے کے بجائے ریسیور جلدی سے اٹھ کر دیکھا۔ فوری طور پر خرم سے بچنے کا یہی ایک حل اس کی سمجھا پڑا تھا۔

چند سیکنڈ بعد فون پھر ہونے لگی۔ مارے مجبوری کے اس کو پھر سے ریسیور اٹھا کر آکر سب ہی گھر والے سو رہے تھے۔

ریسیور اٹھا کر ابھی اس نے تلو کہا بھی نہ تھا کہ خرم نے جیڑے میں کہا۔ ”لالہ اب کے میری بات سننے بغیر فون بند کیا تو اچھا نہیں ہوگا۔ میں صبح تک تمہیں فون کرتا رہوں گا جانتی ہوں اچھی طرح مجھے بد معاشی کے سوا کچھ تو آج بھی نہیں ہے۔“

لالہ نے دل میں سوچا منہ سے چپ رہی۔ خرم کے لیے اتنا ہی کافی تھا کہ وہ اس کی بات سننے کے لیے مان گئی تھی اس لیے فوراً بولا۔

”لالہ! اتنی جلدی بھول گئیں جو تم سے کہہ کر آتا تھا۔“

”کیا کہہ کر گئے تھے؟“ لالہ نے ان کو پوچھا۔ ورنہ اس کا اشارہ وہ بہت اچھی طرح سمجھ رہی تھی۔

”میرے پاس اتنا وقت نہیں کہ میں ساری باتیں ریپرٹ کر سکوں۔ صرف اتنا پوچھتا ہوں کہ تمہیں دیکھنے لڑنے کے والے رہے ہیں۔“ اور سنتے ہی لالہ مارے غصے کے پھٹ پڑی اور تیزی سے کہا۔

”پلاؤ رہے ہیں مجھے لڑنے کے والے دیکھنے مگر تمہیں کیا تکلیف ہے۔“

”لالہ! تم ہوش میں ہو۔“ وہ فرمایا۔

”پوری طرح ہوش میں ہوں۔ خود ہاں جانا ہے کب سے شادی کر کے اپنا گھر بنا کر بیٹھ چکے ہیں تو پھر مجھے بھی شادی کرنے کا حق حاصل ہے۔ یاد وہ شادیاں کرنے کا پروگرام بنا کر کہا ہے۔“ لالہ نے غصے سے پوچھا۔

”میں نے شادی کر لی ہے یہ تم سے کس نے کہا؟“ خرم نے گویا حیرانی سے پوچھا تو لالہ نے کہا۔

”تمہاری اماں نے کہا ہے اور کس نے کہا تھا وہ بتا رہی تھیں چہ ماہ دو گئے ہیں تم نے ان کو پیسے نہیں بھیجے اور تین ماہ ہو گئے ہیں نہ تم نے فون کیا اور نہ ہی خط لکھا۔ اب تمہارے پاکستان آنے والے کسی دوست نے بتایا ہے کہ تم نے وہاں شادی کر لی ہے اور اگر یہ بات سچ ہے تو مجھے بھی شادی کرنے دیں۔“ لالہ نے مارے غصے کے اور جوش کے لیک ہی سانس میں بات مکمل کی۔ اس کی بات کے جواب میں دوسری سمت مکمل خاموشی تھی۔ یہ دیکھ کر لالہ نے کہا۔ ”تم کیا سمجھتے تھے کہ میں تمہاری شادی سے بے خبر رہوں گی؟ پکڑی گئی ماؤ خرم تمہاری چوری۔“

”کسی شادی اور کسی چوری۔ پتا نہیں تم کیا کہہ رہی ہو۔“

”اتنے سیدھے نہیں ہیں کہ میری بات کی سمجھنا سکے۔“ لالہ نے نفرت سے کہا تو خرم ٹھہرے ٹھہرے لہجے میں کہنے لگا۔

”میری بات غور سے سنو لالہ۔ تمہارے معیار پر پورا تڑنے کے لیے میں تو دن رات کا فون بھول کر صرف بیسہ کانا میں مصروف ہوں۔ رات گئے جب تھا کہ گھر آتا ہوں تو میرے ساتھ صرف تم ہوتی ہو۔ تمہیں ساتھ لیے بستر میں آتا ہوں اور باڑوں میں لے کر سو جاتا ہوں۔ میں اسی تصور کے ساتھ زندگی بسر کر رہا ہوں اور تم کہتی ہو میں نے یہاں شادی کر لی ہے۔ اپنا گھر بنا کر بیٹھ گیا ہوں۔ کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میری شادی ہو گئی تو صرف تم سے۔ یاد رکھنا آج پھر کہہ رہا ہوں میری شادی صرف اور صرف تم سے ہو گئی۔“ وہ گویا سانس لینے کو رکھا پھر کہا۔ ”باقی رہی ماں کو چہ ماہ سے پیسے نہ بھیجے کی وجہ تو ماں کو میں بیش تین ماہ کے اکٹھے پیسے بھیجتا ہوں۔ تین ماہ کے ختم ہوتے ہی میرا ایکسٹنٹ ہو گیا۔ اس لیے ماں کو چہ ماہ تک پیسے نہ بھیجے۔ اب اتنا مالدار نہ ہو گیا کہ ایک دو دن میں پیسہ مل جائیں گے اور وہی فون نہ کرنے اور خط نہ لکھنے کی وجہ تو خط لکھتا تو دور کی بات میں تو فون کرنے کے بھی قائل نہیں رہا تھا۔ اتنا شہید ایکسٹنٹ ہو تھا میرا آج ہی گھر آیا ہوں اور ابھی بھی بیڈ ریٹ پر ہوں۔ تم سن رہی ہو۔“ لالہ کو خاموش دیکھ کر خرم نے کہا۔

”جی۔“ لالہ کو اپنی آواز نہیں دوسرے آتی ہوئی محسوس ہوتی تھی۔ اس کی جی ان خرم نے کہا۔

”تم کیا سمجھتی ہو میں تمہاری طرف سے بیچ رہی ہوں یا میں نے پاکستان میں تمہیں تنہا چھوڑ رکھا ہے تو میرا بیڑا گز نہیں۔ میں تمہاری گھرانی کا کام اپنے ایک طرف تمی دوست کے سپرد کر کے آیا تھا۔ اس لیے لالہ محبت تو مجھے صرف تم سے ہے۔ تمہیں تو مجھ سے شہد غرت ہے۔ ہاں تو آج میرے اس دوست کا فون آیا تھا۔ سہی وجہ ہے مجھے تم کو فون کرنا پڑا۔ لالہ! میں نے تمہیں پہلے بھی کہا تھا کسی اور کے نام کی انگوٹھی نہیں پہننا مگر تم نے جاکن لی اور پھر اجام بھی دیکھ لیا۔ اب پھر کہتا ہوں۔ سنو لالہ! اکل تم مہمانوں کے سامنے نہیں جاؤ گی یہ میرا حکم ہے۔ سمجھیں۔ یاد رکھنا اگر تم نے میرے کہنے کے خلاف کیا تو پھر اس انجام کے لیے تیار رہنا جو میں تم کو بتا کر آتا تھا۔ تم سمجھتی کیوں نہیں ہو؟ مجھے تم سے جی محبت ہے۔ نہیں دیکھ سکتا میں تمہیں کسی اور کے ساتھ۔ تم صرف میری ہو۔ کیوں پردیس میں بھی مجھے پریشان کرتی ہو۔ جہاں تین سال انتظار کیا ہے وہاں دو سال





لور وہ پوری کر کے چلے گئے۔"

”اگر ماں، لہامہ کی شادی ہو چکی ہوتی تو لاسکون سے جاتے۔“ چھوٹی باجی نے پھر کہا۔ آچا ناموش بٹھی تھیں۔

”جتنی خوشیاں کسی کی قسمت میں ہوتی ہیں وہ اتنی ہی دکھ کر جاتا ہے۔ نہ کم نہ زیادہ۔ ابھی میں زندہ ہوں، خبردار آئندہ کسی نے اللہ کے ساتھ ایسی بات کی۔“ سب بہنیں چپ ہو گئیں، تھیں اور پھر اسی شام وہ اپنے اپنے گھروں کو واپس چلی گئیں۔

☞.....☛.....☞

”اب تمہاری عمر 25 برس ہو چکی ہے۔ آج ذرا اچھی طرح سوچ کر مجھے جواب دو تمہیں شادی کرنی ہے یا نہیں۔ اب ماشا اللہ کران بھی جوان ہو چکی ہے۔ تمہاری وجہ سے اس کی شادی تو لیت نہیں کر سکتے۔“

”اماں! دوسری لڑکیوں کی اماں کی عادت ہوتی ہے جب اپنی بیٹیوں کی عمر کی بات کریں گی تو دوچار سال کم کر کے بتائیں گی تو آپ نے بیٹھے بٹھائے میری عمر میں ایک سال کا اضافہ کر دیا۔ غور سے سن لیں ابھی میں 24 برس کی کبھی نہیں ہوئی۔“ لالہ نے ہنستے ہوئے وضاحت کی۔ پھر تجویز کی اختیار کر کے ہوئے پولی۔ ”باقی رسی شادی کی بات تو آپ کو میری وجہ سے کرن کی شادی لیٹ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اماں آپ پہلے کرن کی شادی کر دیں۔ میری لحد میں دیکھی جائے گی۔“ اس نے بات ختم کر کے اس پاس بیٹھی ہوئی کرن کو شرارت بھری نظروں سے دیکھا۔

”مجھے آگاہی ابھی معاف ہی رکھیں۔ ایم بی اے کا آخری سال شروع ہوا ہے، تعلیم مکمل کرنے سے پہلے میں شادی نہیں کروں گی۔“ کرن نے صاف جواب دے دیا تو لالہ پھر سے لامر کی طرف متوجہ ہوئیں اور لالہ مزید بات کرنے کے بجائے اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔ لالہ اس سے اس بات کا جواب پوچھتی تھیں جس کا جواب اس کے بجائے فرم کے پاس تھا۔ وہ اپنے روم میں چلی گئی تو لالہ نے فون پر سے کہا۔

”اچھا رشتہ ملنے کی کبھی ایک عمر ہوتی ہے۔ تم بھائی ہو ذرا بیاہا رے پوچھو اس کے ساتھ کیا مسئلہ ہے۔ یا تو شادی سے انکار کر دینی مگر نہ پل کرتی ہے نہ اس۔“

”جی ای ضرور۔“ غور نہ لے کہا مگر بولے کہ جو جواب امامہ نے اسے لکھا تو یہ تھا وہی فوزیہ کو بھی دے دیا اور بات ایک بار پھر ختم ہو گئی تھی۔ امامہ اپنے پیشان پر بھی مگر امامہ سے کچھ کہہ بھی نہیں سکتی تھیں۔

خرم ملک چھوڑے باج سال مکمل ہو گئے تھے بلکہ چند بچے لوہڑی ہو گئے تھے۔ مزرعہ گی کی ایک روٹیں بن گئی تھی۔ اوصادوں اسکول میں گزر رہا تھا باقی اوصادوں زمین ٹوٹی ہو کر کرن کے ساتھ۔

مگر رات پریشان کرتی تھی۔ اپنے کمرے میں تنہا ہوا وہ یہ سوچا کہ میں گم رہتی۔ کسی دل بھراؤ تا نور کو ملتی ہوگی سوچتی سوچتی سوچا کہ اب کوئی نہیں تھا جس سے دل کی بات کہتی۔ سرخین تھی وہ تیسرے بچے کے بعد اس کے پاس کم سی آتی تھی اور اگر کبھی بھول کر آتی تو سمجھتا تو اس کے بچائے خرم کی بات کرتی تھی۔ اس لیے اُمہا بچا تھی کہ وہ نہ آئے۔ اپنی تنہائیوں کے ساتھ اس نے کپور و ماہر کر لیا تھا۔ یہ سوچ کر کہ وہ تنہا رہا تو اب ساری زندگی تنہا ہی تھا کہ خرم سے شادی کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ یہی زندگی تھی اس کی اور وہ تھی۔

اس شام وہ کچن میں کھڑی بہرتن ساف کر رہی تھی۔ اماں ابور کرنا دونوں سامنے لاؤنچ میں بیٹھی ٹی وی دیکھ رہی تھیں۔ نسل کی آواز سن کر اماں اٹھ کر گئیں۔ پھر اماں نے ان کی شفقت بھری آواز سنی۔

”لو بھلا جیہ تمہیں دھتک دینے کی کیا ضرورت تھی۔ تمہارا اپنا گھر ہے سیدھے اندر چلے جے۔“ آنے والے نے کیا کہا کہ لالہ سن نہ سکی کیوہ دھتکی واز میں بولا تھا۔ پھر لالہ آنے والے مہمان کو لیے سیدھی لاؤنج میں آئیں۔ لالہ نے کچن کی جالی سے بطور خاص دیکھا آف وائنٹ ٹو جیس سوٹ میں مایوس وہ شخص لالہ کے ساتھ ہی صوفے پر بیٹھ گیا۔

”یہ کون ہو سکتا ہے؟“ اللہ نے سوچا۔ وہ اس کا چہرہ نہیں دیکھ پائی تھی مآں نے دلا کر ان کے سامہ کا جواب دے کر لہاں کی طرف متوجہ ہو کر انہاں نے کرن سے کہا۔

”جاؤ کر ان لنامہ سے کچھ بھائی کے لیے دو دو بچی بنادو اور کچھ فرجن میں کلک ہے نہیں تو میں جا کر ابھی لے آتی ہوں۔“ لنامہ نے واڑ سننے ہی لنامہ کے ذہن میں چھٹا کا ہوا۔ اس نے فوراً دیکھا اور سوچا کیا پچھڑا سا لکڑ کا خرم ہے؟ جس کو کچھ سے پہنچنے کی تیزی نہیں تھی۔ جو سر تیل کی کڑائی میں ڈبو کر رکھنا تھا بنو رور کیسے پر معلوم ہو رور خرم ہی تھا مگر اس وقت اچھے لباس کے ساتھ ساتھ چہرے پر بھی مسکراہٹ اور بچیدگی تھی۔ خوب صورت تو وہ پہلے ہی تھا۔ قد کا نک نہوت دانستہ نکلیں اور خاص کر اس کے چہرے پر موجود اس کی سیاہ مٹی مٹی و مٹی میں مزید اضافہ کرتی تھیں۔ رنگ اس کا لنامہ کے اپنے رنگ سے بھی کچھ اچھا لودہ رنگ اس کے بالوں میں تیل بھی نہیں تھا۔ وہ پہلے والا خرم نکلیں سے بھی نہیں لگ رہا تھا۔ وہ شاید اس کے لیے یہ خاص تیاری کر کے آ یا تھا کہ خرمی ملاقات میں اس نے لنامہ سے کہا تھا۔ اب تمہارے سامنے اس وقت وہیں گاہب تمہارے معیار کے مطابق بن جاؤں گا اور اب وہ اس کے معیار کے مطابق بن کر آ یا تھا۔ لنامہ اس کو دیکھتی رہی۔ اس نے چائے پینے سے انکار کر دیا تھا اور لنامہ کے ساتھ ساتھ کرن سے بھی باتوں میں مسرور تھا۔ ابھی تک اس نے نظر اٹھا کر بھی لودہ لودہ نہیں دیکھا تھا۔ لودہ اور لنامہ کے کمرے کی طرف بھی نہیں دیکھا تھا۔ لنامہ کچھ میں اپنا کام ختم کر چکی تھی مگر محض اس کی وجہ سے انہیں جاری تھی۔ وہ اس کا سامنا کرنا نہیں چاہتی تھی۔ جس نے اس کی زندگی تباہ کر رکھی تھی۔ مگر اسی وقت خون کی قتل ہونے لگی۔ کرن نے اٹھ کر سنا پھڑکا واڑ دی۔ ”آئی آپ کا خون ہے۔“

لہذا کافی چاہا کہ وہ بے بند کر دے یا کسی مناسب بات تھی۔ وہ کچن سے نکل کر لاؤنڈن میں آئی اور فرم سے بچنے کے لیے بڑی تیزی سے اپنے روم کو طرف بڑھی تھی کہ اس نے پکارا۔

”لہذا ہجرت نہ کرکھو یہاں آیا ہے مسلمان کرو۔“ کہاں بھول چکی تھیں کہ اس کو ذمہ سے کتنی چڑھتی تھیں اور اب اس ذلیل انسان کو سلام کرنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ وہ جہاں تھی وہاں رک گئی مانتے پر بل پڑ گئے۔

خرم اس کے گریز کو سمجھ رہا تھا، چاہتا تھا اس وقت اس کو اب گہائی طوری پر اپنے گھر میں دیکھ کر شدید غصے میں ہوگی۔ اب لاں کو کسی اپنی غلطی کا احساس ہو چکا تھا کہ وہ خرم سے شدید نفرت کرتی تھی اور یہ اس کو ایک بد معاش لڑکا کہتی تھی اور اب اسی بد معاش لڑکے کو سلام کرنے کا لاں اس کو کہہ چکی تھیں اور اب خرم کی عزت تو رکھنی تھی اس لیے اس کو رستے دیکھ کر کہا۔

”اگر اسلام کو بڑھائی کتنے سالوں بعد آیا ہے۔“ وہ مارے مجبوری کے چلا ہیں جسکا غم کے پاس آئی اور سلام کیا۔ غم نے ایک سرسری نگاہ اس پر ڈالی۔ اس کے باوجود حلقہ کو دوپیشانی چھپی نہ رہ سکی۔ پھر سلام کا جواب دینے کے بعد بڑے ادب سے پوچھا۔

”کسی کو پتہ“

”ٹھیک ہوں“ کہہ کر اللہ نور اُمّی اور اپنے کمرے میں پہنچ گئی۔ دل میں اس کو پانچ سال بعد دیکھ کر غرت کا طوفان لٹکایا تھا۔ اللہ ماہ کراس نے بے دلی سے نون سنا پھر ہسٹریسٹ لگتی شرم کو دیکھ کر گڑا ہوا زمانہ بھر سے یاد آگیا تھا اور اس نے سوچا تو یہ ہے وہ شخص جو بغیر نکاح کے اس کا ماںکد بنا بیٹھا ہے۔ جس نے پانچ چھ سال سے اس کو وقتی طور پر ہمارے سکون کر رکھا ہے۔ اپنی خوشی کے لیے میری معنی تروا کے مجھے رسوا کیا۔ بہت بڑا رام ہے سکون رہی میں مگر اب اس کی باری ہے۔ وہ اس خوشی میں جیلا ہے کہ وہ چار پیسے کا کمرے سے معیار کے مطابق بن گیا ہے۔ اور اب میں اس کو لکڑا کر بتا دوں گی کہ میرے لیے نہ پہلے اس کی اہمیت تھی اور نہ اب ہے اور نہ ہی کبھی ہوگی۔ کہتا تھا کنواری نہیں بیٹھنے والوں کا تئیں کچھ نہ کچھ کر لوں گا میں اب دیکھی ہوں کہ کیا کرتا ہے میرے انکار کے بعد کیا زبردستی اٹھا کر لے جائے گا اور یہ کاس اچھی طرح جانتی ہیں کہ مجھے اس کہنے سے سخت غرت ہے پھر بھی کہہ دیا بھائی کو سلام کر دے نہ سلام کرتی تو کیا غرت رہ جاتی اہں کی۔ اور ساتھ ساتھ فرم کی بھی۔ بلا لائن ٹھمن کرتا ہے۔ وہ مسلسل فرم کے ہی بارے میں سوچے جاری تھی کہ کرن اللہ ماہ کی لور کہا۔

”آئی لی! آپ کو ملاں بلاری ہیں۔“

”مجھے نہیں جانا اس کے سامنے۔“ کلامہ نے ہاتھ کواری سے کہا۔

”کس کے سامنے؟“ کرن نے حیرانی سے پوچھا۔

وہی جو لال کے پاس بیٹھا ہے۔ "لکامہ چاہئے کہے باوجود لکڑی لکڑت نہ چمپائی کو لکڑن کے تپا۔

اپنی حرم جان واپس لے کر لے گئے۔ یہاں تک کہ باہر کی آوازوں نے ان کے سر پہنچائی تھی۔

سراہ کرتے تھے۔ انہیں تھمرا کی کلوٹنگی کے ذریعے جو ماچ سال بعد بھی بکری فٹم نہیں ہوتی۔" کلمہ نے جب رہنمائی مناسب سمجھا اور ان کے بچہ کو کہا۔

”چند روز پہلے مجھے خرم کی ماں نے بتایا تھا کہ خرم مستقل پاکستان کر رہا ہے۔ اب وہ پاکستان میں اپنا ذاتی کاروبار کرے گا۔ اور اب خرم بھی جی تو آیا ہے۔ دیکھا کتنا نیک

بچہ ہے۔ مائے ہی مجھ سے۔ بیٹے اور اسلام کرنے چلا آیا ہے۔ "اوتھہ نک" ایک نمبر کا بدعاش بچہ ہے۔ امامہ نے دل میں کہا۔ منہ سے چپ رہی۔ مچھر سوچا اوتھہ اپنا کاروبار

کرے گا جیسے عالم بھائی نے اپنی ورکشاپ کھول لی تھی ویسے یہ بھی اپنی ورکشاپ کھول لے گا۔ موزمبیک اور کرکھی کیا سسٹے ہیں۔ اس کو سوچوں میں گم کر دیکھ کر ماں بھی کچھ

میں نے وہ خرم کا ذکر پسند نہیں کر دیا۔ اس لیے خرم کو چھوڑ کر بھائی اور بچوں کی باتیں کرنے لگیں کہ بچوں کے جانے سے گھر میں رونگٹیں نہیں رہیں۔ وہ چپ چاپ بیٹھتی رہتی تھیں۔

رہی۔ وہ بیان اب بھی ختم کی طرف تھا۔

وہ عجیب بھلے سے اپنے بل سے گئے پھر نہ کہے کہ میں نہیں سمجھتا کہ کیا وہ عیدیں گے ہر کوئی بل جہاں نہیں کہوں اسے توں سارے ہمارے گھر آئے ہے۔ اب میں نے

ات کیوں کر؟ گائیٹھک سے ات کرے گا تو جواب دے سلائے والا ملے گا اور اب اگر اس نے مجھے چھوئے گا تو اس کو اتساہا ایکساہو گی کہ ساری زندگی کا ہر لمحہ گائیٹھک سے ات کرے گا۔

COURTESY WWW.PDFBOOKSFREE.PK





کمرے میں بیٹھو میں نے اسے تھک کر لایا تھا۔

"کھانا کی ضرورت نہیں خالہ جی۔ میں نے اسکول سے کھانا کھالیا تھا۔ آپ بس مجھے چھوڑ آئیں۔" لالہ نے اس خوف سے کہا کہ کہیں خرم نہ آجائے۔ اس کی بات سن کر سرین نے کہا۔

"کسی باتیں کرتی ہو۔ تمہارے علاوہ بھی تمہارے گھر کھانا ویسے بھی بیچنا تھا۔" نوآپ کھانا نکالیں میں تھک کر اسے اندر لے جاتی ہوں۔ "وہ نہ نہ کرتی رہ گئی مگر سرین نے ایک نہانی جتنی سے اس کا ہاتھ تھام کر اس کو اندر لے آئی۔ پھر چائے پانی پر بٹھاتے ہوئے بولی۔

"ماموں آج آپ بات کر لیں۔ جب تک میں ان کو کوئی میں مصروف رکھتی ہوں۔" اپنی بات ختم کر کے وہ مصروف چیز سے باہر کھل گئی بلکہ جاتے جاتے دروازہ بھی بند کر گئی کہ یہ سارا پروگرام ماموں بھانسی کے درمیان پہلے ہی سے طے ہو چکا تھا۔ اس کے جاتے ہی لالہ گھبرا کر کھڑی ہو گئی۔ اندر آتے ہوئے اس نے نہیں دیکھا تھا وہ سیف کھوٹے کھڑا تھا سرین کے باہر جاتے ہی وہ سیف بند کر کے اس کے قریب آیا اور خاموشی سے اسے دیکھنے لگا۔ اس شام جب پانچ سال بعد پہلی بار اس کو اپنے گھر میں دیکھا تھا صرف ایک سرسری نگاہ اس پر ڈالی تھی کہ پاس لایا اور کرن بھی تھیں جن پر غور دیکھ رہا تھا۔ بیک کمر کے سادہ سوٹ کے ساتھ پرت و پندہ سر پر لیے وہ بیاری لگ رہی تھی۔ چہرے پر شجیدگی۔ وہ بچوں جھکائے کھڑی تھی۔ وہ اس کو دیکھتا رہا۔ دل کہہ رہا تھا کھلے گالوں کا پانچ سال بعد دل رہے ہو اور کھلے لگنے کے بعد بھول جاؤ کہ لایا بھانسی ہیں مگر دماغ کا کہنا کچھ اور تھا اس لیے دل پر جبر کر کے کھڑا اس کو دیکھتا رہا۔

جب کہ لالہ نے پھر بھی سوچا شور مچا کھول کر بے چارہ سوچتا ہو گا اب میں ہاں کروں گی۔ بہتر ہے اس کی یہ غلط فہمی دور کر دی ہوں نوآ ج اگر مجھے چھوٹنے کی کوشش۔۔۔

مزید سوچنے سے پہلے وہ اس کی وارن کر چک پڑی۔ خرم کہہ رہا تھا بلکہ پھر ہاتھ۔

"کسی ہو لالہ؟" اور لالہ نے جواب دینے کے بجائے چپ رہنا ہی مناسب سمجھا۔ اس کو خاموش دیکھ کر خرم نے دل میں سوچا پانچ سال بیت گئے مگر تم آج بھی ویسی ہی سنگدل اور بے رحم ہو۔

"میرا حال نہیں پوچھنا تو کم از کم اپنے بارے میں تو بتاؤ کسی ہو؟" مگر اس کو مزید کچھ بھی کہنا فضول تھا اس لیے اپنے مقصد کی طرف آتے ہوئے بولا۔ "لالہ! اپنے وعدے کے مطابق میں پانچ برس بعد تمہارے معیار کے مطابق بن کر تمہارے سامنے آیا ہوں۔ اب میرے بارے میں کیا خیال ہے؟" لالہ نے نہ چاہتے ہوئے بھی اس کو بچوں اٹھا کر دیکھا۔ اس شام وہ ان کے گھر آیا تھا نوآف وائٹ ٹو جس سوٹ پہن رکھا تھا۔ پاؤں میں انیوینڈ لیڈر کے قیمتی بوٹ کھائی پر قیمتی رست واقع آری کٹ میٹر اسٹائل میں چہرے پر مسکرت لیے اس کو ہی دیکھ رہا تھا اور بے حد اچھا بھی لگ رہا تھا۔ لالہ کا مسئلہ ہی اب اور تھا۔ خرم نے اس کو اسے نور سے اپنی طرف دیکھتے پایا تو جی چاہا کہ وہ۔۔۔ "نور سے دیکھو لالہ! ڈیڑھ آج میرے جسم پر گھنٹا لباس نہیں ہے اور نہ پاؤں میں ریوکی ٹیبل ہے اور نہ کھائی میں کسٹمی کھڑی ہے۔ ہالوں میں کس بھی نہیں کہہ پڑیں میں بے ہوشی کے وجہ سے یہ عادت اپنے آپ ختم ہو چکی ہے۔

"برنس کے بارے میں تمہیں بھائی بتا چکی ہوگی۔ پھر بھی کوئی کمی ہو تو خود بتا سکتی ہو۔" مگر وہ اس کے جواب کا سختی سے اور لالہ کا جواب وہی تھا جو اس نے پہلے ہی سوچا رکھا تھا۔ خرم کا جائزہ لینے کے بعد اس نے خرم کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پورے اعتماد کے ساتھ کہا۔

"میں نے آپ سے۔۔۔" کھڑا آپ پر فرمول ہی دل میں خوب محفوظ رکھا کہ وہ ہمیشہ اس کو کم پاؤں کر کے مخاطب کرتی تھی مگر اب اسے متانت سے اس کی بات سننے لگا۔

"پہلے بھی آپ سے سو بار بھی پوچھیں گے مجھ سے تو میرا جواب یہی ہو گا۔ آپ سے شادی کرنے کے بجائے میں ہر گرجہ کواری بیٹھنا پسند کروں گی۔" لالہ نے بغیر کسی لحاظ کے کہہ دیا۔

"لالہ! پہلے کی بات تو تھی۔" خرم کے لیے میں بے حد نرمی نوآ کھوں میں بے پناہ محبت تھی۔ اس کی نظریں مسلسل لالہ کے چہرے پر جمی تھیں۔

"میرے لیے اب بھی وہی بات ہے آپ نے جو کچھ بھی کہا مجھے آج بھی یاد ہے اور میں آج بھی آپ سے نفرت۔۔۔"

"پانچ برس! پہلے میری پوری بات سن لو پھر تم بھی جو کہنا ہو گئی میں بھی سن لوں گا۔" خرم کے لیے میں پہلے سے بھی زیادہ نرمی تھی۔ لالہ چپ ہو گئی اور اس کو خاموش دیکھ کر خرم نے کہا۔

"پہلے میں ایک معمولی موزیک تک تھا مگر اب ایک برنس میں ہوں۔ گھر آج بھی کرایے کا ہے لیکن اگر تم ہاں کرتی ہو تو مٹھی ابھی کر لیتے ہیں۔ شادی ایک سال بعد رکھ لینے ہیں اور شادی سے پہلے ایک عیاری ہی کوئی ضرور لوں گا۔ بہت بڑی ہو سکتا ہے نہ ہو مگر چھوٹی بھی نہیں ہوگی۔ تمہاری قسم بھی زندگی تم چاہتی ہو میں تمہیں دوں گا۔ تمہاری ہر خوشی کا سہرا کروں گا۔"

"میں نے آپ سے کہا! آپ سو بار بھی۔۔۔" مگر خرم نے اس کو بات مکمل کرنے کی اہمیت دینے بغیر ایک بار پھر نرمی سے کہہ دیا۔

"اتنی ضد اچھی نہیں ہوتی۔ تمہیں جلد بازی کرنے کی ضرورت نہیں۔ میں تمہیں سوچنے کے لیے ایک ہفتے کا ٹائم دیتا ہوں۔ اب کے کم اچھی طرح سوچ کر جواب دینا اور دیکھو مجھے مایوس کرنا نہ لینے لیے تمہاری اس کا انتخاب کرنا۔ نور زیادہ کرنا قطعاً کم کرنا اور اب جاسکتی ہو۔" خرم نے کہا تو لالہ حیرت سے اس کو دیکھتے ہوئے باہر کھل گئی۔ یہ وہی خرم تھا جو ہر ملاقات میں اسے چھنا اپنا فرض سمجھتا تھا۔ ہمیشہ کھٹ بھٹا تھا مگر آج کی پہلی آنکھ جو بھی ہے جیسا بھی ہے مائی فٹ۔ مجھے اس کے ساتھ شادی نہیں کرنا۔ میں پوری زندگی بھی سوچوں گی تو میرا فیصلہ یہی ہو گا۔ وہ بچن میں آئی تو سرین نے اس کو دیکھتے ہی شرارت سے مسکراتے ہوئے پوچھا۔ "کرے پچانے نہیں ہوگی۔" اچھی طرح جانتی تھی ماموں سے بات کرنے کے بعد اس کا بی بی ہائی ہو چکا ہو گا۔ "خالہ اب مجھے جانا ہے۔" اس نے سرین کو جواب دینے کے بجائے خرم کی والدہ سے کہا اور کھانا جانے والی نظروں سے سرین کو دیکھا۔ اس کی اس چال کی اب اس کو کچھ کہنا فضول ہی تھا وہ کلن سا اب اس کی باتوں کا اثر لیتی تھی یا اس سے ڈرتی تھی۔

"ہاں ہاں! چلو جی۔ یہ فرمٹ والا شاپرٹم پکڑ لو۔" انہوں نے کہا اور شاپرٹم لالہ کو پکڑا کر خود سے پکڑ لی۔

ان کے جاتے ہی سرین کمرے میں آئی۔ خرم شجیدہ سا کھڑا کچھ سوچ رہا تھا۔ سرین نے پوچھا۔ "ماموں بات بنی پھر۔"

"تمہاری کٹلی بات بتانے کی خاطر یہ یاد کرنے کی؟" اس نے متانت سے کہا۔

"فکر نہ کریں ذرا سا غور کھا کر مان جائے گی۔" سرین نے تسلی دی۔

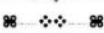
"تم کبھی ہو تو یقین کر لیتا ہوں۔ ویسے لگتا تو نہیں کہ پانچ برس بعد بھی اس کا لہجہ اور فیصلہ وہی ہے۔" خرم نے شجیدگی سے کہا۔ سرین جانتی تھی وہ بے حد ضدی ہے۔ مگر ماموں کا دل نہیں توڑنا چاہتی تھی۔ اس لیے حوصلہ دینے والے انداز میں کہا۔

"آپ مایوس نہ ہوں نہ ہی دل ہر اکریں۔ وہ ہی مانا جائے گی۔ آپ بیٹھے میں آپ کے لیے کھانا لاتی ہوں۔"

"کھانا کی بجائے اگر اسز ونگس کی چائے پادو سکون ملے گا۔" خرم نے کہا تو سرین فوراً بکن میں چلی گئی۔ ویرا لالہ کے سر دروپیے خرم کو ڈسٹ کر دیا تھا۔ وہ جس کے لیے پانچ برس پر دیس کاٹ کر آیا تھا اس کے لیے اب بھی اس کی وہی اہمیت تھی جو پہلے تھی۔ اس نے کہا کیا ایسا بھی ہوتا ہے ایک بندہ تو محبت میں پاگل ہو جائے اور دوسرے محسوس بھی نہ کرے۔ مجاز بہ محبت کو۔

لالہ گھر آئی تو بے حد پر سکون تھی۔

کوئی خرم کا سوال ایک دو تھکاؤ دہن پر جو تر چکا تھا۔ وہ چھل والا شاپرٹم کرن کو پکڑا کر اپنے کمرے میں چلی آئی۔



صبح لالہ حسب معمول کپڑے دھونے کے بعد صحت پر ڈالنے لگی۔ چھٹی کی وجہ سے سب گھر والے بھی سو رہے تھے اور لالہ کی یہ عادت تھی کہ وہ صبح کی دھلائی وہ سب گھر والوں کے اٹھنے سے پہلے ہی کر کے فارغ ہو جایا کرتی تھی۔ وہ مارے کپڑے ڈالنے کے بعد چپے لگتی تو کھانا وانا خستہ میدان کی چھت کی جانب اٹھ گئی اور وہ چونک پڑی۔ خرم نہ جانے کب سے کھڑا اس کو دیکھتے میں تھا۔ چہرے پر گہری شجیدگی نوآ نکھیں سوچا جس ڈوبی ہوئیں۔

لالہ کے دیکھنے پر بھی اس کی ذہنیت میں کوئی کمی نہیں آئی تھی۔

ایک ماہز نسینٹ کرنے کے سلسلے میں وہ دن رات گھر کے باہر مصروف رہا تھا مگر آج فراغت تھی۔ اس لیے وہ پانچ سال پہلے کی طرح صحت پر موم بٹھا۔ اس کو معلوم تھا لالہ کپڑے پہیلانے کا ضرور آئے گی۔ اس کو بھی پھر کر دیکھنے کا یہی نام تھا۔ وہ کپڑے ڈالتی رہی۔ وہ دیکھتا رہا اور اب لالہ نے اس کو دیکھا تو جلدی سے نیچے اتر گئی۔

پھر ہر تو اکریہ کھیل ہونے لگا۔ وہ کپڑے ڈالنے اور جاتی تو خرم پہلے سے صحت پر موم جو ہوتا۔ جب تک لالہ کپڑے پہیلاتی وہ ہی خاموشی اور شجیدگی سے اس کو دیکھتا رہتا۔ لالہ کپڑے ڈالنے ہوئے کئی بار اسے چیک کرتے تو کہا نے بھانے سے لاکھ رکھتی اور خرم کو ہمیشہ اپنی جانب دیکھتے پاتی۔ خرم نے اس کو سوچنے کے لیے ایک ہفتہ دیا تھا اور اب ایک ماہ اور ہاتھ۔ لالہ نے سوچا اصل سندر ہو گا تو کچھ گیا ہو گا۔ انکار ہے اس لیے جواب دینے نہیں آئی تاہم اس کو جبر تھی وہ کافی حد تک بدل چکا تھا۔ اب کی ملاقات میں نہ تو اس نے لالہ کو چھوٹنے کی کوشش کی تھی اور نہ ہی تلخ کلامی اس کے لیے میں بے حد نرمی تھی۔ شجیدگی اور مہربانی۔ دھنا لالہ نے سوچا اب وہ پہلے والا پونٹیں برس کا چھوڑا کر انیس پانچ برس تک سے باہر گزر کر وہ 29 برس کا بڑا قارم دن چکا تھا۔ ویسے شجیدگی میں اچھا لگتا ہے۔۔۔ لالہ نے یہ کیا سوچا رہی ہوں۔ وہ کہینہ اچھا لگے یا میری جوتی سے۔ میں نے کبھی بھی نہیں بھولوں گی ذلیل انسان نے میری مٹھی تر دوا کر مجھے دوا کیا۔ میری زندگی کے خوبصورت سال ضائع کیے۔ سرین کے تین بچے اور قریب کے دو اور میں یہاں تھا بیٹھی ہوں۔ بہت محبت ہے تمہیں آج بھی مجھ سے۔ لوگ رام سے سو رہے ہیں اور تم مجھے دیکھنے کے لیے اپنی نیند کی قربانی دے کر یہاں کھڑے ہو۔ اب میں کم از کم ادھوں گی۔ روز میری ہاں کے انتظار میں۔ اب میری ہر کنوارے اب میں تمہیں خود سے بات کرنے کا موقع کبھی نہیں دوں گی۔ یہی سوچتی وہ بیٹھ گئی تھی۔ گمراہ کھوں کے سامنے خرم کا شجیدہ چہرہ جا رہا یا یاد رہا تھا۔

اسی شام جب لالہ بکن میں تھی اور باقی سب گھر والے لاؤنج میں بیٹھے ہی وہی دیکھ رہے تھے خرم ان کے یہاں آ گیا۔ اس کی دھک کے جواب میں عابد بھائی اٹھ کر باہر گئے اور اس کو ساتھ لیے سیدھے لاؤنج میں بیٹھے۔ اور لالہ نے خرم کو دیکھتے ہی اپنا مخصوص جملہ کہا۔

”اے میری بیٹی! ہمارا یہ تہہ دار اپنا گھر ہے، دھک دینے کی ضرورت نہیں۔ سیدھے اندر آ جا کر سو۔“

”ہاں ہاں! کیوں نہیں۔“ لالہ نے چپ کر سوچا۔ اماں پر اپنی محبت کا سکہ بھانسنے کے لیے اس نے واپس آ کر اماں کو تسلی دینا چاہا۔ اس کے بعد دھک کی گنجائش کہاں رہتی ہے۔ اور عابد سے دوستی کی کڑی کو بچوں کے لیے کاجیٹ جب کہ کرن کو چمک بھگولتی تھی۔ پہلی بار جب اماں کو ملنے یا تھا اس کے چند روز بعد یہ سب چیزیں خرم کی ای بڑی محبت سے دے کر گئی تھیں۔ جب رشوت اتنی زیادہ اور اتنے ظلموں پر اسے ڈی جائے تو اس کے بعد دھک کی گنجائش ختم ہو جاتی ہے مگر مسئلہ لالہ کا تھا۔ وہ اس وقت دوپہر کے کھانے کے برتن وصولی تھی اور رات کے لیے روٹیاں بناتی تھی۔ برتن وہ صاف کر چکی تھی اور ب روٹیاں بناتے اس کا خون کھل رہا تھا۔ لالہ نے کئی بار بیک سے دیکھا وہ عابد بھائی کے بجائے کرن سے باتوں میں بولتا تھا۔ اس کی اسٹڈی وغیرہ کے بارے میں پوچھ رہا تھا جیسے وہاں کرن کے علاوہ کوئی تھا ہی نہیں جس سے وہ بات کرتا۔ حالانکہ اماں بھائی عابد بھائی پاس ہی بیٹھے تھے۔ وہ اس شام کی طرح جب وہ پہلی بار یا تھا جن میں اپنا کام ختم کر چکی تھی اور اب محض خرم کی وجہ سے بے مقصد کھڑی تھی۔ اس نے ایک بار پھر باہر دیکھا۔ وہ اب عابد بھائی سے بات کر رہا تھا۔ جانے کچھ گرم گرم دور دور تک نہیں لگتا تھا۔ اس لیے لالہ باہل خواستہ بھگے سے باہر نکلتے ہی سیدھی اپنے روم کی جانب آئی اور جلدی سے اندر داخل ہو کر دروازہ بند کر لیا۔ اس نے سوچ لیا تھا آج اگر اماں نے سلام کرنے کا کہا تو وہ ہرگز نہیں کرے گی اور دوسراں بے خوف نہیں تھیں پہلے والی غلطی کرتیں۔ اماں نے لالہ کو بیک سے نکلنے دیکھا تو پھر دوسری جانب کر لیا جیسے دیکھا ہی نہیں۔ وہ سب کی موجودگی میں خرم کی توہین نہیں چاہتی تھیں۔ دروازہ بند کرتے ہی لالہ نے اطمینان کی گہری سانس لی پھر سوچا۔ خرم بے سوچے کتا ہوگا کہ شاید جھ سے بات کرنے کا موقع مل جائے مگر یہ ممکن ہے۔ جب تک یہ لاؤنج میں موجود ہے تب تک میں اندر کرے میں ہی رہوں گی۔ پھر اس نے ذرا سی کھڑکی کھولی اور ناچا پتے ہوئے بھی اسے دیکھنے لگی۔ آج اس نے بلوچیز پر سفید شرٹ پہن رکھی تھی اور اس پر بلیک جیکٹ اور پاؤں میں جوگر۔ پیرے پیرے پائے پہلے سے بھی زیادہ جمیدگی تھی۔ لالہ ابھی اس کو ٹھیک سے دیکھ رہی تھی کہ اچانک وہ اٹھا اور اماں اور عابد بھائی کے روم کے باوجود چلا گیا تو لالہ مسکرائی یہ سوچ کر کہ محض منہ کے لیے اشارہ ہی کافی ہوتا ہے۔ وہ سمجھ گیا ہوگا کہ یہاں تہہ دار نہیں ملے گی۔ اور پھر یونہی تین ماہ بیت گئے۔ اتوار والا کیل باری رہا۔ صبح لالہ کو بھٹ پر دیکھا۔ شام کو کھڑا جاتا۔ اسی وقت جب وہ بیک میں مصروف ہوئی تھی اس کو تھکا لدا اور وہ چکا تھا کہ لالہ اس وقت بیک میں ہوتی ہے۔ آتے ہوئے بچوں کے لئے کاجیٹ اور کرن کے لیے چمک بھگول رہا۔ اماں نے ایک بار خرم کی تو خرم نے دکھایتے بھرے بچے میں کہا۔ ”دھک دینا ہوں تو اماں جی آپ کہتی ہیں اپنا گھر ہے دھک کی ضرورت نہیں۔ اب بچوں کے لیے کچھ لے کر آتا ہوں تو اپنا گھر کچھ کر تو آپ تنہا ہونے لگی ہیں۔ اگر یہ بات بے نتیجہ مآء چھوڑ دوں گا۔“ اس پر اماں کو اپنا ستر خض و اوس لینا پڑا۔

اور خرم جس مقصد کے لیے آتا تھا وہ پورا نہیں ہو رہا تھا۔ لالہ سے بات کرنا موقع دوبارہ ابھی تک نہیں ملا تھا۔ وہ جب آتا تب لالہ بیک میں ہوتی اور باقی لوگ لاؤنج میں۔ وہ بیک سے نکلتی تو سیدھی اپنے کمرے میں چلی جاتی۔ مجبور ہو کر وہ گھر پر فون کرنے لگا اور لالہ چند کچھ سمجھتی تھی کہ تہہ دار کی نلے پر وہ فون پر بھی اس کو ٹھک کر سکتا ہے اس وجہ سے وہ فون سننا ہی چھوڑ چکی تھی۔ اس کی موجودگی میں بھی بیک ہوتی تو وہ خور۔ سیور اٹھانے کے بجائے بھابی یا کرن کا وائز دیتی۔ مگر آج اس وقت گھر میں کوئی نہیں تھا۔ بھابی یا کرن کو ساتھ لے کر شاپنگ کرنے گئی تھیں اور اماں اندر بچوں کے پاس سو رہی تھیں مجبوراً لالہ کو خود اٹھانا پڑا اور وہی ہوا۔ دوسری طرف خرم تھا۔ لالہ کی آواز سننے ہی خرم نے تیز لہجے میں کہا۔

”ایک وقت یا تھا اماں نے تمہیں سوچنے کو اب تین ماہ دور ہے ہیں۔ نہ ہی تہہ دار کی میں ملتی ہو نہ ہی فون سن رہی ہو نہ تہہ دار کی مجھ میں میری بات نہیں آتی۔“ وہ شہیے طے میں تھا۔ یہ دیکھ کر لالہ کو بھی غصہ آ گیا۔

”مسٹر خرم! میں نے سنا تھا کہ محض منہ کے لیے اشارہ ہی کافی ہوتا ہے۔ لیکن لگتا ہے آپ اس نعمت سے محروم ہیں۔۔۔ خیر یہ میرا مسئلہ نہیں۔ آپ نے مجھے ایک وقت یا تھا تو میں پھر اپنا جواب ہی دیتی کرتی ہوں۔ اب اس کو اچھی طرح یاد رکھیے گا اور دوبارہ کبھی پوچھنے کی زحمت نہ کیجیے گا۔“ اماں مسرخرم آ آپ سے شادی کرنے کے بجائے میں پھر کٹوری رہنا پسند کرتی ہوں۔ شوروم کھول کر اگر آپ کسی خوش فہمی کا ظہار ہو چکے ہیں تو اس کو دل سے نکال دیں کہ مجھے آپ سے تو کیا آپ کی سورت سے بھی شدید نفرت ہے۔“ اور فون بند کر دیا اور وہ صوفے پر بیٹھی اپنے مستقبل کا سوچنے لگی اور جو خرم کے ہاتھ میں تھا۔ پھر بھابی اور کرن بھی آ گئیں تو وہ کچھ بھول کر بھابی کی شاپنگ دیکھنے لگ گئی۔

ایک وقت بعد ہی نسرین طے میں پھری بیٹھی آئی۔ نہ سام نہ دعا کی اور لالہ کو گھورتے ہوئے بولی۔ ”تم اپنی حرکتوں سے باز آؤ گی یا نہیں۔“ ”کس بات پر غصہ؟ چاہو ہاں ہے جو اتنی دھجھ ہے چاری پر نکالنے آئی ہو۔ سرال والوں نے کچھ کہا یا دوا بھائی سے ذات پر آئی۔“ لالہ نے ہنستے ہوئے پوچھا۔ ”دوا بھائی کی یہ جرأت کہ مجھے کچھ کہیں اور سرال والوں میں سے جو مجھ کو کچھ کہے گا وہ مجھ سے سن بھی لے گا۔ اتنی سیدھی اور مصمم نہیں ہوں میں۔ لیکن وہاں سب لوگ ہی بہت اچھے ہیں۔ میری جان تو تم نے عذاب میں ڈال رکھی ہے۔ آج طبیعت خراب ہونے کے باوجود تہہ دار کی وجہ سے آئی ہوں۔“ وہ چار پائی پر لالہ کے پاس بیٹھتی ہوئی بولی۔

”میری وجہ سے۔۔۔۔۔! لالہ نے واقعی حیران ہو کر پوچھا۔

”ہاں ہاں! تم سے ماموں ملنا چاہتے ہیں۔ اس لیے انہوں نے مجھے بلوایا ہے۔“ نسرین نے راز داری سے لالہ کی محبت جھکتے ہوئے بتایا۔

”مگر میں تمہارے ماموں سے ملنا نہیں چاہتی۔“ لالہ کا لہجہ اپنے آپ تنگ ہو گیا۔

”لالہ! اب ماموں میں کی کیا ہے بلایز اخوانہ ادا کا مسئلہ نہ بناؤ۔ ماموں نے تمہیں سوچنے کو ایک وقت یا تھا اور اب تین ماہ ہو چکے ہیں ان کو تمہارے جواب کا انتظار کرتے ہوئے۔ وہ بے حد پریشان ہیں تمہارے اس رویے سے۔“

”جواب میں چند روز پہلے تمہارے ماموں کو دے چکی ہوں تمہارے ماموں کو ایک بار ہی میرے جواب کی بجھتا جانی چاہیے مگر پسینہ نہیں تو اب ضرور آ جائے گی۔“ لالہ نے سکون سے کہا تو نسرین منت کرنے والے انداز میں بولی۔

”دیکھو میز امیر سے کہنے پڑا خری بار ماموں سے مل لو۔ میں نے بتایا ماموں بے حد پریشان ہیں۔“

”ہرگز نہیں ملوں گی۔ اس کیسے نے میری معافی ختم کر دیا کہ مجھے روا کیا۔ میرے خاندان کو پریشان کیا۔ اب وہ بھی ہمیشہ پریشان رہے گا۔ فوراً اگر اپنے ماموں کی وجہ سے آئی ہو تو دوبارہ میرے پاس آئے کی زحمت نہ کرنا۔ ماموں کا خیال ہے پہلی کانٹیں۔“ لالہ نے بے رخی سے کہا۔

نسرین نے اس کے بعد بھی ایک دو بار سنانے کی کوشش کی اور جب ہر کوشش بے کار ہی تھی تو وہ طے سے بولی۔

”میں ماموں ہی کی نہیں میں تمہاری وجہ سے بھی آتی ہوں۔ انہوں نے تمہاری معافی ختم کر دی تھی کیونکہ وہ خود تم سے شادی کرنا چاہتے تھے۔ تم نے سنا نہیں باجی! نا ز نے کیا کہا تھا کہ زندگی میں اہم چیز محبت ہی ہوتی ہے اور ماموں تم سے کبھی محبت کرتے ہیں اور باجی نا ز کے شوہر کی طرح بوڑھے اور بد صورت بھی نہیں۔ نہ صرف بے حد خوبصورت بلکہ فوجان بھی ہیں۔ سب سے اہم وہ تم سے کبھی محبت کرتے ہیں۔ اس لیے تم کو ایک اچھی زندگی دینے کے لیے انہوں نے پانچ برس دن رات محنت کر کے تمہاری خواہش کے پیش نظر خود کو موثر کیا کہ بچائے ایک بیڑس میں بنالیا اور تم اپنی ضد چھوڑ کر بیوی بن گئیں۔ سوچو ماموں میں اب کوئی کی نہیں ہے۔ خود کو ایک بات نہ کرتی رہو۔ انہوں نے معافی ختم کر دی تو اب شادی بھی تو تم ہی سے کرنا چاہتے ہیں۔ کیا میں تم سے محبت نہیں کرتی جو تم مجھے ماموں کا طعنہ دیتی ہو۔ تم سے بھی محبت ہے اس لیے کہتی ہوں اچھی پہلی اچھی بہن! اب دیکھو خری اور اچھی طرح سوچ کر مجھے جواب دو۔ ماموں سے شادی کیوں نہیں کرنی پہلے بھی کہا ہے اور اب بھی کہتی ہوں لا کا مسئلہ نہ بناؤ۔ محبت میں انہیں ہوتی۔ بار محبت نہیں ہوتی۔ خوب عقل سے سوچو کیا تم جو کر رہی ہو وہ درست ہے۔“ نسرین کی بات میں سن کر لالہ کچھ حیر ہوئی رہی پھر دل کی بات زبان پر لے آئی۔

”فرض کرو میں تمہاری بات مان کر تمہارے ماموں کی محبت پر یقین کر کے شادی کر لیتی ہوں تو باجی شو شادی کے بعد کیا ہوگا۔ نکاح ہو تو ہی وہ میرا مالک اور حاکم بن جائے گا۔ اس کو معلوم ہو جائے گا کہ اب میں اس کو چھوڑ کر نہیں جا سکتی تو پھر ساری زندگی وہ مجھے اس بات کے طعنے دے کر میری زندگی روزگار بناتا رہے گا کہ میں نے ایک معمولی موٹر مکینک کو تو ٹھکر دیا اور جب وہ مکینک ایک امیر آدمی اور بیڑس میں بننا تو میں نے شادی کر لی۔ تمہیں معلوم ہے کہ لالہ مجھ سے کس کرخت لہجے میں بات کرتا ہے۔ تمہاری بات رات والے دن محض ایک چھوٹی سی بات کو جواز بنا کر اس نے مجھے میرے گال پر اتنے زور سے تھپڑ مارا کہ اب کیا بتاؤں۔ وہ جیسی ہے۔ آئی ایم سوری نسرین میں تمہارے ماموں سے شادی نہیں کر سکتی۔ میری طرف سے صاف جواب سمجھو۔“

”اگر میں کہوں ماموں شادی کے بعد ایسا نہیں کریں گے۔“ نسرین نے عنایت دینی چاہی۔ یہ سن کر لالہ نے نفرت سے کہا۔

”تم سے زیادہ تمہارے سننے والے ماموں کو میں جانتی ہوں۔ وہ پورا خوشی ہے۔ اس کو صرف اپنی خوشی اور خواہش عزیز ہے۔ دوسرے پر کیا گزرتی ہے پر وہ نہیں۔“ یہ سن کر نسرین کو غصہ آ گیا اور وہ اٹھتے ہوئے بولی۔

”اگر تمہاری یہی ضد جتنے میں جاتی ہو۔“ اس کو فے میں جاتے دیکھ کر لالہ کو بھی غصہ آ گیا۔

”جاری ہو اپنے ماموں کے لیے میرا آخری پیٹا مل گیا لیتی جاؤ۔ اس کو کہہ دینا میرا جواب ہمیشہ یہی رہے گا اور اس کو ملنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ہاں اسے کہنا مجھے فون کرنے کی بھی زحمت نہ کرے۔ مجھے معلوم ہے وہ پکا بدعاش ہے مگر میرے خاندان والے اس کی بہت عزت کرتے ہیں۔ اس کو نیک اور شریف لڑکا سمجھتے ہیں۔ اب اگر اس نے مجھے فون کیا تو ہلکا بھر کرفون بھائی یا اماں کو کھتا کہ اس کی ساری شرافت کا پل کھول دوں گی۔ اس لیے فون نہ کرنا ہی اس کے حق میں بہتر ہوگا۔“

نسرین کوئی جواب بے بغیر طے میں پھری بیٹھی گئی۔

گھبرا آئی وہ سیدھی لوہا آئی۔ نا تو بیک میں مصروف تھیں۔ وہ اندر کرے میں آئی جہاں خرم بیٹھے ہوئے کمرے میں اس کا انتظار کر رہا تھا۔ نسرین نے اس کے پاس بیٹھتے ہوئے طے سے کہا۔

”آپ لالہ کے علاوہ کسی اور سے شادی نہیں کر سکتے۔ کیوں اپنے ساتھ سمجھتے بھی بے عزت کر داتے ہیں۔“



”گلتا جتا جھٹھاٹھا کا بھنگڑا ہو گیا ہے اپنی کھلی سے۔“ خرم نے اس کے غصے سے پھولے ہوئے چہرے کو دیکھتے ہوئے ہنس کر پوچھا۔

”جی ہاں بھنگڑا ہو گیا ہے۔“ تب کے کسرین نے ہاتھ کے خیال سے آواز دہرائی تھی۔

”ہو آیا ہے۔ کچھ بات تو کسی دھڑلے پر راضی ہوئی کہ نہیں؟“ خرم نے سنجیدگی سے پوچھا۔ اس پر کسرین نے لامہ کے ساتھ ہونے والی ساری بات چیت بتادی پھر پوچھا۔

”آپ نے میری بابت والے دن اس اکیڑھریوں مارا تھا اور خرم جولاہہ کے ساتھ ہونے والی بات چیت سن چکا تھا دل میں سوچا اس دن تو صرف ایک ہی تھپڑ مارا تھا اب ذرا میرے ہاتھ سے تو کسی بہت سارے تھپڑ پڑیں گے اس کو مجھ سے۔“

”بتائے کیوں نہیں؟ کیوں تھپڑ مارا تھا۔ وہ آپ کو خوش کرتی ہے۔“

”بھائی غلطی ہوئی جاتی ہے انسان سے۔ سب تم میری بات غور سے سنو۔ جہاں تک مجھے معلوم ہے تمہاری کھلی اپنی جھوٹی اماورنیر سے خوف سے صحیح فیصلہ نہیں کر پارہی۔ تم بارہوہ اس کے پاس جاؤ اور میری طرف سے اس کو یقین دلاؤ میں شادی کے بعد لڑکی گھنیا کوئی بات نہیں کروں گا۔ اس لیے کہ میں لامہ سے بڑے محبت کرتا ہوں اور اس کو مارنا تو میری بات میں کبھی اس کو کھلی کچھ سے کبھی دیکھوں گا بھی نہیں۔“ مگر اب کی بار لامہ نے کسرین کو بھی خوب تپایا تھا اس لیے اس نے غصے سے کہا۔

”ماموں وہ میری کھلی ہے۔ میں اس کی ضد کو اچھی طرح جانتی ہوں آپ لالہ کو بھول کر کہیں اور شادی کر لیں۔ تو کی طبیعت اب ٹھیک نہیں رہتی۔ لہذا آپ کھلی کا گھر کے کام بھی نہیں کر سکتیں۔ صرف اپنا نہیں نافو کا بھی سوچیں۔ پہلے بھی آپ لامہ کی وجہ سے پانچ برس کے لیے انہیں تنہا چھوڑ گئے تھے۔“ کسرین اس کو سمجھا کر جلی گئی اور وہ چاہنے کے باوجود کسرین کو یہ نہ کہہ سکا کہ وہ تمہاری تو صرف کھلی ہے جب کہ میری وہ محبت ہے۔ بلکہ محبت ہی نہیں میری زندگی ہے۔ اس کو بھول کر کہی اور سے شادی کرنا ناممکن ہے۔

بس ایک بار وہ مجھے نہال جائے تو اب اس کو مار کر ہی چھوڑوں گا مگر وہ ملے لڑکھاں اور کیسے۔ وہ سوچنے لگا۔

کسرین کے جانے کے ایک ہفتہ بعد ہی رمضان کے مقدس مہینے کا آغاز ہو گیا تھا اور اس کے ساتھ ہی انصاریوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ رمضان کے پہلے جمعہ فوزیہ کے عید کے میں انتظار پارٹی تھی۔ سب گھر والے گئے تھے سوائے لالہ کے۔ لالہ اب بھائی کے عید کے کم ہی جاتی تھی۔ ورنہ پہلے تو یہ ہوتا تھا اگر عابد بھائی مسروف ہوتے تو بھائی لالہ کو ساتھ لے کر جلی جاتی تھیں کہ لالہ کی وفات کے بعد ماں اب گھر سے ذرا کم ہی نکلتی تھیں۔ باقی رہی کہ لالہ تو اس کا یہ فائل ایئر تھا۔ وہ سارا دن اپنی ہی حالت میں مسروف رہتی۔ یوں بار بار آنے جانے سے لالہ کی بھائی کی بہن شازیہ سے دوستی ہو گئی تھی اور وہ بھی اب لالہ کو کون کے گھر آنے لگی تھی۔ پھر یوں ہوا کہ بھائی کے بھائی قیوم کوئی سات برس بعد امریکہ سے چلے آئے۔ وہ فوزیہ بھائی کی شادی سے کوئی پانچ چھ ماہ پہلے امریکہ گئے تھے۔ اس لیے بہن کی شادی بھی میں شامل نہ ہو سکے۔ ان کے گھر آنے کی خوشی میں فوزیہ بھائی کی اہی نے محفل میلاد کا انتظام کیا تھا۔ فوزیہ اور لالہ کے ساتھ کرن بھی گئی تھی کہ سب گھر والوں کو بلور خاص بلایا گیا تھا۔ وہاں جب لالہ کا تعارف فوزیہ بھائی کے بھائی قیوم سے کروایا گیا تو بس لالہ کو دیکھتے ہی رو گئے۔ امریکہ سے آئے بھی شادی کے لیے تھے۔ اب جو لالہ کو دیکھا تو پہلی نظر میں ہی لالہ کی محبت میں گرفتار ہو گئے اور محفل میلاد کے بعد وہ محفل لالہ کی خاطر بہن کو خود اس کے سرال چھوڑنے آئے اور واپس گھر جاتے ہی ماں سے کہدیا۔

”اب آپ کو باہر لڑکی دیکھنے کی ضرورت نہیں۔ لالہ مجھے اچھی لگی ہے۔ اسی سے میری شادی کروں۔ ماں کو بھلا کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ وہ پہلے ہی باہر لڑکیاں دیکھ دیکھ کر ٹھکے آئی ہوئی تھیں کہ کوئی اچھی لڑکی ہی نہیں رہی تھی۔ انہوں نے تو ایک بار خود بھی فوزیہ سے لالہ کے لیے کہا تھا مگر فوزیہ نے انکار کرتے ہوئے بتایا تھا۔“ اسی سے تو لالہ بچے حد اچھی۔ اتنے سال ہو گئے میری شادی کو حال ہے جو کبھی مجھ سے ملاطبت کی ہونے لگی ہو۔ تاہم شادی کا اس کو جب بھی کہتے ہیں وہ کو کوئی وجہ نہیں بتاتی مگر کوئی وجہ لازمی ہے جو شادی کے لینا ہاں کرتی ہے چنا ہی نا۔ اب قیوم بھائی جان کے لیے باہر لڑکی دیکھ لیں۔“ اور اب جب بیٹے نے اپنے منہ سے کہہ دیا تو اس نے فوزیہ سے خون پر بات کی۔ ان کی ساری بات سن کر فوزیہ نے کہا۔

”آئی آپ لالہ کے پاس آنے سے پہلے اپنے والد سے بات کر کے دیکھ لیں۔ پرسوں تو ان کو ہم آئیں گے۔ میں فوزیہ کی اہی نے دلا دے بات کی۔

اور عابد بھائی نے کہا ”ماں سے پوچھ کر ہی جواب دے سکتا ہوں۔“ اور جب عابد بھائی نے ماں سے بات کی تو انہوں نے کہا ”لڑکا لگتا تو لالہ سے دس سال بڑا ہے۔ خیر میں لالہ سے بات کر کے سمجھتی ہوں۔“ اور جب ماں نے لالہ سے پوچھا تو لالہ نے فوراً انکار کر دیا۔

”ماں نے کہا“ کہتے اچھے لوگ ہیں۔ خرم چاہتی اہی تھی۔“ وہ چپ رہی۔ بے شک وہ لوگ اچھے تھے مگر لالہ اپنی بیوی کی کسی کو بتا نہیں سکتی تھی۔ وہ فوزیہ بھائی کے بھائی تو کیا کسی کے ساتھ بھی اپنی مرضی سے شادی کرنے کی طاقت نہیں رکھتی تھی۔ جو طاقت رکھتا تھا وہ وہو نے کہ باوجود اپنی اس طاقت کے مل بوتے پر مل کی خبر رکھتا تھا۔ انکار سن کر شازیہ نے ذاتی طور پر اس کو بتایا تھا۔

”لالہ ڈیزل بھائی جان پہلی نظر میں دیکھنے ہی تمہاری محبت میں گرفتار ہو چکے ہیں۔ پلیز انکار نہ کرو۔“ مگر پھر وہی بات۔ وہ انکاری کر سکتی تھی ہاں نہیں۔ یوں مگر میں فوزیہ بھائی سے بھی تعلقات خراب ہوئے تھے۔ بھائی اب اس کو پہلے والی محبت سے کم ہی مخاطب کرتی تھیں بلکہ اب وہ زیادہ تر لالہ سے بات کرنے سے گزیر کرتی تھیں۔ مگر لالہ خودی باندھ نہیں کرتی تھی۔ جب کہ فوزیہ بھائی کے بھائی اب بھی امید کا دامن تھا ہے ان کے یہاں آتے رہتے تھے۔ کبھی لالہ سے سامنا ہو جاتا تو چند باتیں بھی کر لیتے۔ یہ لمحے لالہ کے لیے بے حد کوفت زدہ ہوتے تھے۔ شکر ہے وہ ابھی تک اکتھا رحمت سے قس ٹوٹیں گریز کیے ہوئے تھے۔ باپھر لالہ خودی ان کو ایسا موقع نہیں دے رہی تھی۔ وہ جب آتے لالہ کو کولام کر کے فوراً اپنے روم میں چلی جاتی اور اکثر اپنی اس کوشش میں کامیاب رہتی۔ اور اس کی انتظار پارٹی میں جانے کی بھی جکی وجہ تھی۔ باقی رہے عابد بھائی تو ان کے بہت قریبی دوست کے ہاں انتظار پارٹی تھی۔ وہ درکشاپ سے سیدھے لاسرچی چلے گئے تھے مگر جلد فارغ ہو کر گھر چلے آئے تھے اور گھر آتے ہی انہوں نے سب سے پہلے خرم کو کھن کیا اور گھر آئے لوکھا۔ لالہ نے صاف سنا وہ کہہ رہے تھے۔

”یار بے حد ضروری اور فوری کام ہے۔ بس جلدی سے آ جاؤ۔“ پھر فون بند کر کے انہوں نے لالہ کو دیکھا اور پوچھا۔ ”ہاں بھی تم نے انتظار میں اپنے لیے کیا ہنڈیا ہے۔“ اور لالہ نے بتایا۔

”فروٹ چاٹ اور بوس۔“

”بس یہی وجہ ہیں کھانا وغیرہ نہیں بتایا۔“ عابد بھائی نے کھڑے کھڑے پوچھا۔ انہیں شاید خرم کا انتظار تھا۔

”بھائی کھانا نہانے سے منع کرتی تھیں کہ میری کے لیے اور میرے ہی کچھ لے آؤں گی۔“ لالہ نے بتایا تو عابد بھائی بولے۔ ”ہاں یہ خوب رہی ایک تو خود ہاں سے کھانا بچا کھچا ساتھ لے آئے۔“ اتنے میں دور قبل ہوئی۔ عابد بھائی نے کہا ”یارورو از کھلائے اندر آ جاؤ۔“

پھر خرم لگے دیکھ کر انہوں نے لالہ سے کہا۔ ”لالہ ذرا اچھا سا دودھ پنی کا ایک گگ خرم کے لیے بنا دو میں تو پی کر آیا ہوں۔“

”میرے پاس غیر ضروری لوگوں کے لیے چائے بنانے کا ہنم نہیں۔“ لالہ نے خرم کو نہانے کے لیے ذرا ٹوٹی آواز میں کہا کیونکہ وہ روزانہ کھول کر ڈیوڑھی میں داخل ہو چکا تھا۔ عابد بھائی ایک بار پھر اس کو نہت کرنے والے لہڑا میں کہہ کر چلے گئے اور لالہ بجائے چائے نہانے کے کئی وی لاؤنج میں بیٹھ کر کئی وی کھول کر دیکھنے لگی۔ چند منٹ بعد پھر دور قبل ہوئی۔ لالہ گھٹی گھر والے آئے ہوں گے۔ مگر بھائی کے شاید اور دوست آئے تھے کیونکہ عابد بھائی پھر لالہ کے پاس آئے اور کہا۔

”اچھی بہن! میرا ایک دوست آ گیا ہے۔ پلیز انکار نہیں کرنا۔ دوکپ چائے بنا دو۔“ لالہ کو نہ چاہتے ہوئے بھی اٹھان پڑا۔ چائے بنا کر وہ بلاگ بھرنے کے بعد دوسرے میں ڈال رہی تھی۔ جب ٹی وی لاؤنج میں بڑے فون کی بیل ہوئی تھی۔ لالہ نے پہلے گڑے میں گھر کے پھون کے قریب آئی اور پھر اٹھایا۔ دوسری جانب بھائی کا بھائی قیوم تھا۔ لالہ نے سلام کیا تو انہوں نے جواب دینے کے بعد لالہ کا حال پوچھا اور یہ بھی کہہ دیا کیوں نہیں؟ لالہ نے کہا بوجی موڈ نہیں تھا۔

”کیا میری وجہ سے ختم ہوئی؟“ انہوں نے پوچھا۔

”جی ایسی کوئی بات نہیں۔ آپ نے فون کیسے کیا؟“ لالہ نے یہ سوچ کر کہا کہ اب کب کب فون پر ہی اکتھا رحمت نہ شروع کر دیں۔

”بہت جلدی میں لگتی ہو۔“ انہوں نے برلمان کر کہا اور لالہ نے جھوٹ کا سہارا لیتے ہوئے کہا۔

”جی ہاں وہ مہمان آئے بیٹھے ہیں۔ ان کے لیے چائے بنا رہی تھی۔“

”اچھا ٹھیک ہے عابد کو بلا دو۔“ اب کے انہوں نے چونکتے ہوئے کہا تو لالہ ریسوررکھ کر پہلے کچن میں آئی۔ چائے والی رے اٹھائی اور پھر آ کر ڈرائنگ روم کا دروازہ ناک کیا۔ عابد بھائی فوراً ہوا آئے اور لالہ نے چائے والی رے ان کی جانب بڑھا دی۔ وہ بتایا۔ ”قیوم بھائی کافون ہے۔ آپ پہلے چائے دے کر وہ بھی لیں۔“

لالہ کی بات سن کر عابد بھائی کڑے سے طرف بڑھے پھر رک گئے اور انہوں نے لالہ سے کہا۔

”تم چائے اندر رکھو۔ میں فون سن کر آتا ہوں۔“ پھر وہ لالہ کو وہیں چھوڑ کر لاؤنج میں چلے گئے۔

لالہ پہلے تو حیران ہوئی پھر سوچا وہ سکتا ہے دوسرا بندہ بھی قریبی جاننے والا ہو جو انہوں نے مجھے لہڑا جانے کا کہہ دیا ہے۔ پھر وہ پردہ ہٹا کر دروازہ میں آئی تو سامنے والے سونے پر خرم بیٹھا تھا۔ دوسرا بندہ شاید جا چکا تھا۔ اب فون کیا کروں۔ لالہ نے چند لمحوں میں رک کر سوچا پھر خرم کے سامنے بیٹھ کر پھر پڑے رکھنے لگی تو خرم نے اس کو گھورتے ہوئے حیرت سے کہا۔

”جس بندے کے لیے چائے لے کر آئی وہ وہو کب کا جا چکا ہے اب اس کو واپس لے جاؤ۔“ وہ اس کی بات سن چکا تھا۔

لالہ کو خوشی ہوئی کہ وہ اس کو تاراج کرنے میں کامیاب رہی۔ اس نے ایک نظر خرم کو دیکھا۔ آج اس نے لائٹ گرین کھلی ٹلوٹر میں سے ساتھ گرین کھلی کا ہی بغیر بازو وینر بہن رکھا تھا۔ اس کو اچھی طرح دیکھنے کے بعد لالہ نے بڑی بے نیازی سے کہا۔

”بھائی کے کہنے پر لائی ہوں اس لیے رکھ کر جا رہی ہوں۔ آپ نہ بچیں۔“ وہ چائے کڑے رکھ کر ابھی پوری طرح سیدھی بھی نہ ہوئی تھی کہ خرم نے لپک کر چائے والا لگ اٹھایا۔ پھر لالہ کی طرف بازو دراز کرتے ہوئے غرلا۔

”جی تو چاہتا ہے یہ گرم چائے تمہارے چہرے پر ڈال کر تمہیں ابھی چلا دوں۔“

”نہیں۔“ لمدہ سہی کا پانی گھبرا کر خوف زدہ ہو کر فوراً مقدم پیچھے ہٹی۔ خرم نے ایک نظر اس کے خوف زدہ چہرے پر ڈال کر پھر اس کے سامنے کھڑا ہوتے ہوئے پوچھا۔

”میں نے تمہیں سوچنے کو ایک ہفتہ دیا تھا اور اب تین ماہ دور ہے جس۔“ پانچ برس بیت گئے مگر تمہاری ذہنی عمر نہیں بڑھی۔ وہ آج بھی پانچ سال پہلے والے مقام پر کھڑی ہے۔ لادھر ابھری فضاوں کا تمہیں کرنے کے بجائے سیدھی طرح بتاؤ تم کیا چاہتی ہو۔ کیا ڈیمانڈ ہے تمہاری اپوری کرنے کی طاقت رکھتا ہوں۔ بتاؤ کتنا پتہ لپا ہے تمہیں، کتنا زور چاہیے تمہیں اور کتنے جوتے چاہتی ہو تم اپنے لیے۔ کھل کر بتاؤ جو کچھ چاہیے۔“ جنوں کا لفظ اس نے آخر میں استعمال کیا تھا۔ اس وقت وہ پانچ برس والا وحشی خرم لگ رہا تھا۔ لمدہ کا رنگ مارے خوف کے نفی ہو چکا تھا۔ اس کو خرم سے ڈر لگ رہا تھا کہ کچا کے باغیر آگ اب بھی اس کے ہاتھ میں تھا اور وہ لمدہ کے سامنے کھڑا اب بھی اس کو گھور رہا تھا۔ لمدہ کو خوف تھا جیسے میں نے اس کے پاؤں چائے کر آ کر کہا۔ اے تجھے اب وہ کہیں میرا بچہ نہ چلا دے۔ وہ ایسا نہیں کر سکتا تھا۔ عابد بھائی باہر موجود ہیں۔ اس موقع نے اس کو تسلی دی۔

”اب چپ کیوں کھڑی ہو۔ جواب دو مجھے، کیا چاہتی ہو، کیا ڈیمانڈ ہے تمہاری آج ذرا کھل کر بتاؤ دو۔“ وہ دبے دبے لہجے میں دھماکا آٹھایہ عابد بھائی کے خیال سے اور لمدہ نے ڈرتے ڈرتے کمزور لہجے میں کہا۔

”میری کوئی ڈیمانڈ نہیں۔ میں نے آپ سے پہلے بھی کہا تھا آپ سے شادی کرنے کے بجائے میں مگر۔۔۔“

”مزید کیا اس کرنے کی ضرورت نہیں۔“ خرم نے دانت جیس کر کہا۔ پھر ہاتھ میں پکڑا چائے کا بھرا گلاس کا پتہ پرانا کر سیدھا ہاتھ سے ہونے بولا۔ ”جی تو چاہتا ہے تھوڑا سا مار کر تمہارا علیہ بگاڑ دوں مگر باہر افسوس عابد بھائی موجود ہیں۔“ پھر وہ ڈانٹ کر انک روک پکڑا اور لاہور کو کھول کر باہر نکال گیا۔

یہ شکر تھا چائے لمدہ کے چہرے پر نہیں گر گئی تھی۔ نو کینے انسان سارا کا پتہ خراب کر دیا۔ وہ جب تک رنگ اٹھا رہی تھی جب عابد بھائی اندر داخل ہوئے اور پوچھنے ہوئے پوچھا۔ ”اے خرم کہاں گیا؟“

”وہ اندر تھے ہی نہیں جب میں آئی۔“ لمدہ نے جھوٹے بولتے ہوئے خالی گلاس اٹھا کر زور سے لمدہ کے سامنے رکھا۔ عابد بھائی یہ کہتے ہوئے خود بھی باہر چلے گئے۔

”پلو میں خود ان کے گھر چلا جاتا ہوں۔“ پھر وہ چلے گئے تو لمدہ مڑے اٹھائے باہر آ گئی۔ لیکن میں مڑے رکھنے کے بعد وہ پھر لاؤنچ میں آ کر بیٹھ گئی۔ ٹی وی چونک کر کھلا چھوڑ کر گئی تھی اس لیے پھر سے ٹی وی دیکھنے لگی مگر حیران لب بھی خرم میں ہی تھا۔ وہ بے حد غصے میں گیا تھا۔ اگر اس کو عابد بھائی کا خیال نہ ہوتا تو ہاتھ نہیں اس کا کیا ہشر کرتا۔ لمدہ خود بھی محسوس کرتی تھی وہ لب خوفناک کی شدت کر رہی تھی۔ لب کوئی کی نہیں تھی خرم میں۔ مگر یہ بات اس کو تپا دیتی تھی کہ کھڑی اپنی خوشی کے لیے خرم نے مقفیٰ قسم کروا کر اس کو کتنے بڑے صدمے اور سوائے سے وہ چار کیا اور پورے خاندان کو پریشان کیا اور پھر اسی بات کا ذکر کہ شادی کے بعد وہ اس کو طعنے دے گا۔ موزک لینک کلک بڑی مختارت سے لکھ لایا اور جب وہ مکینک سے برنس میں بناتو شادی کر لی۔ اب انکار ہی بہتر تھا لودہ آج اس وقت وہ اپنے رویے سے اس کو خوف زدہ کر کے جا چکا تھا۔

لمدہ اس کی بے چینی بے قراری کو سمجھ رہی تھی۔ اس نے خود گلائی کے تھک لڑ میں کہا۔

”بہت محبت ہے تمہیں مجھ سے بہت بے تاب ہو مجھے پائے کو گھر افسوس کہ پائے نہ سکو۔“ لب تر پتے روئے مگر مجھے پائے کی تمنا لیے۔ اب مجھے اتوار سے بیٹھ کر دکھاؤ۔ محبت ہے تو اب ثابت کر کے دکھاؤ تم سے تو شادی کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا وحشی۔“ وہ انہی سوچوں میں گم ٹپٹی تھی۔ ماباہر کا دروازہ کھلا۔ سب سے پہلے اندر زین داخل ہوا پھر ٹی وی اور اس کے بعد کرانوی کو اٹھائے۔ پھر ماں بھائی کھانے کے لیے کھڑے ہوئے اور ان سب کے پیچھے قوم جوں سب کو چھوڑنے لگا تھا۔ ”لو یہ ایک اور بلا ایک اور مصیبت۔“ لمدہ نے دل میں سوچا۔ پھر اٹھتے ہوئے مارے عروت کے سلام کیا۔

قوم نے جواب دیتے ہوئے ایک پھر پھر نظر لمدہ پر ڈالی پھر اجازت لے کر چلا گیا۔ ماں کتنی ہی رو گئیں۔

”جینا! اب آئے ہو تو کچھ دیر بیٹھو سہی۔“ مگر وہ چلا گیا اور لمدہ نے دل میں سوچا پہلے ہی باہر سے دفع ہو جاتے تو کیا جا تا تمہارا اس کو ماموش کھڑی دیکھ کر بھائی نے محبت سے کہا۔

”لمدہ کھانا تو ابھی تم نے نہیں کھایا ہو گا۔ اب کھاؤ۔ شازیر کے ہاتھ کے تمہیں شامی کباب بہت پسند ہیں نا۔ اس نے آج بطور خاص تمہارے لیے بنائے تھے مگر تم گئی ہی نہیں تو اس نے تمہارے لیے ساتھ دے دیے ہیں۔“

اصل میں فوزیہ کو اس کی ماں نے بتایا تھا کہ وہ ایک پھر کال کے یہاں گئی تھی اور لمدہ کو قیوم کے ساتھ شادی پر رضامند کرنے کے لیے توجہ لاتی ہے۔ پھر صاحب کہتے تھے جلدی کام بن جائے گا۔ یہ سن کر فوزیہ نے برا سامنہ دیا تے ہوئے ماں سے کہا۔

”ماں یہ پھر کال سب جھوٹے ہوتے ہیں۔ کن کے پاس کچھ نہیں ہوتا۔ سب کو کوں کو لٹھنے کے طریقے اور بھانے ہوتے ہیں۔“ ماں نے بھی لمدہ کے لیے ایک پھر سے توجہ لکھ کر لیا 20 ہزار روپے دے کر کرکڑی اپنے منہ سے کہنے لگی میری شادی کر دو۔ اور منہ سے کہتا تو دور کی بات وہ شادی کے نام پر ہی کاٹ کھائے کو روڑتی ہے۔ 20 ہزار روپیہ ماں کے ضائع گئے۔ صاف سیدھی بات ہے جب سے لمدہ نے قیوم بھائی کے ساتھ شادی کرنے سے انکار کیا ہے میں کم ہی اس کو منہ لگاتی ہوں۔ یہی وجہ ہے آج یہاں آتے ہوئے میں نے رسی سامنے ساتھ لٹھنے کو نہیں کہا۔“

یہ سن کر فوزیہ کی امی نے کہا۔ ”وہ نقلی پھر ہو گا۔ یہ بڑا زبردست ہے افلا۔ لمدہ دیکھنا وہاں جانے لگی۔ اور ساتھ لب لمدہ سے نرمی اور محبت سے بات کرنا تمہارا بھائی اس کو بیار کرنے لگا ہے اور کہتا ہے لمدہ سے ہی شادی کروں گا اور ہاں یہ شامی کباب اوسے لے کر جانا اور اپنے سامنے بٹھا کر محبت سے کھلاؤ۔ دم کیے ہوئے پانی میں پکائے ہیں۔“ انہی باتوں کی وجہ سے فوزیہ صرف شامی کباب کھلانے کے لیے لمدہ کو خود محبت اور نرمی سے مخاطب کیا تھا۔

”سوئی بھائی! اس وقت تو موافقتی سحری میں کھائوں گی۔“ لمدہ نے کہا اور اپنے دم میں آ گئی۔

سحری ماں خود بناتی تھیں۔ بھائی کے یہاں چوتھا پیر ہونے والا تھا۔ وہ بھی روزہ رکھتی تھیں۔ کبھی چھوڑ دیتی تھیں۔ ہاں اٹھاری وہ لمدہ کے ساتھ لڑ کر بناتی تھیں۔ مگر آج چونکہ لمدہ کو شامی کباب کھلانے تھے وہ بطور خاص انہی تھیں اور اپنے مقدمہ میں کامیاب بھی ہو گئی تھیں مگر لمدہ پتہ کوئی چیز مڑ نہ کرتی تھی۔ یوں ہی شادی سے انکار تو وہ خرم کی وجہ سے کرتی تھی۔ اگر خرم درمیان میں نہ ہوتا تو وہ بھی کب کی شادی کر کے سرین اور فیاض کی طرح بیچنے لاری رہی ہوتی اپنے گھر میں بیٹھی۔

دو دن بعد اتوار تھا۔ لمدہ نے سحری سے فارغ ہوتے ہی مشین لگائی تھی اور جب کپڑے نوپ ڈالنے لگی تو لکھنا وہ بطور خاص خاندان میں کی محبت کی جانب تھی کہ پرسوں رات خرم بے حد غصے میں رخصت ہوا تھا۔ وہ دیکھنا چاہتی تھی اب کیا حال یا حالت ہے۔ غصے سے کھل ہو رہا ہو گا مگر آج محبت خالی تھی۔ حالانکہ سرین کے جانے کے بعد جب کبھی تو امی تھی تو وہ جب بھی محبت پر موجود تھا۔ وہ ماموشی سے کھڑا اس کو دیکھتا رہا یہ اب لگ بات تھی کہ کھوں میں غصہ بیٹھانی ممکن ہے لودہ کی وجہ سے غصے میں دیکھ کر خوش ہوئی تھی۔ وہ چاہتی تھی جس طرح میں پانچ سال تپا ہوں اب وہ قیما رہے۔ باہر سے یہ سوچ کیا ہو گا کہ میں ولکس جاتے ہی شادی کروں گا مگر لادھر سے جواب بیٹھ انکار کی صورت میں ملے گا۔ مگر آج وہ نہیں تھا۔ خالی محبت اس کا منہ چڑا رہی تھی۔ لمدہ کپڑے ڈالتے ہوئے بار بار اصرار رکھتی رہی۔ نہ جانے یکدم ہی اس کو یوں محسوس ہوا جیسے اس کی کوئی چیز کھو گئی ہو۔ چیز! ہم تھی یا مہوئی اس کا ابھی اندازہ نہیں کر پا رہی تھی۔ کپڑے پھیلائے کے بعد وہ کتنی دیر رہی بے مقدمہ پور بیٹھی رہی۔ مگر خرم کو نہ آتا تھا نہ لودہ مایوسی سے نیچے مڑ آئی۔ زیر مایوسی اس نے اپنے بھی اس نے لادھر مڑ کر دیکھا تھا مگر اب اس کا حال تھا۔ وہ آج پور آ پائی نہیں تھا۔ اتور کی شام وہ ان کے یہاں لازمی آتا تھا۔ لمدہ منتظر تھی کہ کب آتا ہے مگر اس شام وہ نہیں آتا تھا۔ لمدہ نے سر جھٹک کر سوچا کہ پلو کیسے کی کینٹینی سے جان چھوٹ گئی۔ لگتا ہے اس کا ریسری بات اس کی سمجھ میں آ گئی ہے۔ مگر خود وہ اپنے اندر کی حالت کو سمجھ نہیں پاتی تھی۔ خرم نے پھر جیسے اس کے سامنے نہ نے کی قسم کھائی تھی اور چند روز بعد ایک انہونی ہو گئی۔ اس کے لیے تو یہ کم از کم انہونی ہی تھی۔ اس دن وہ اسکول سے ولکس آئے کے بعد پہنچنے کے بغیر لاؤنچ میں بیٹھی کھانا کھا رہی تھی۔ اس کی یہ عادت تھی سالانہ اگر پسند کا ہوتا تو وہ کپڑے پہنچ بعد میں کرتی، کھانا پہلے کھاتی تھی۔ آج ماں نے قیوم مڑ پکڑائے تھے جو اس کے لیے فورٹ تھے۔ ابھی اس نے دوپاڑے لے لی تھی کہ خاندان میں اس کو خرم کی والدہ بیٹھی آئیں اور منحن میں نیچے تخت پوش پر جہاں ماں بیٹھی تھیں وہاں وہ بھی بیٹھ گئیں۔ سلام دعا کے بعد چند اصرار لادھر کی باتوں کے بعد خرم کی ماں نے کہا۔

”لیکن آج میں آپ سے کچھ مانگتی ہوں۔“

”سب کچھ آپ کا پناہ گشتی کی ضرورت نہیں۔ جس چیز کی ضرورت ہو اٹھا کر لے جائیں۔“ ماں نے پورے غلو سے کہا۔

”ہاں میرا بھائی زندہ ہوتا تو ایسا ہی کرتی۔“ خرم کی والدہ نے کہا تو ماں کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور خاندان میں ان کے مزے ماحول کو فخر دگی سے بچانے کے لیے بولنا ضروری سمجھا۔

”بھائی زندہ نہیں تو کیا وہ ابھی تو زندہ ہے۔ تو پھر ذرا کس بات کا۔ جو مانگتی ہو ماں کو۔۔۔ اور ان کی بات سن کر لاؤنچ میں کھانا کھاتی لمدہ نے سوچا۔ پہلے کسی سامان کبھی مریح، کبھی کسی بیاز مانگتی تھی آج کیا خاص چیز مانگتی تھی جس کو تمہیں بلا دھی جاری ہے۔ اسی وقت خرم کی والدہ نے سامنے لمدہ کے قریب بیٹھی کرن کو دیکھتے ہوئے کہا۔

”میں کرن کو اپنی بیٹی بنانا چاہتی ہوں۔“ ماں نے شاید چونک کر ان کو اتنا نہیں دیکھا ہو گا جتنا حیران ہو کر لمدہ نے دیکھا تھا۔ منہ کی طرف تو الہ لے جاتے ہوئے اس کا ہاتھ جہاں تھا وہیں رک گیا۔ دل پر جیسے کسی نے پورے زور سے کھوسنا کھینچ مارا تھا۔

(باقی آئیدہ)





”نوزید! لامہ کو کھانا دیا تھا۔۔۔“

”افوہ! اے! مجھے یاد نہیں رہا۔ بھابی نے کہا تو لڑ لڑتی لامہ نے سوچا ہاں بہت سیدھی اور معصوم ہے جو کھانا دینا دیر رہا نہیں کہتی کہ بھائی کے ساتھ شادی سے انکار پر جان بوجھ کر مجھے پریشان کرتی ہے تب ہی لاس کی آواز آئی۔۔۔“

”جاؤ دو کھانا بھی دے کر آؤ۔ اس نے تو صبح شیشہ بھی نہیں کیا تھا اور طبیعت کا بھی پوچھ کر آنا اب کسی ہے۔“ نوزید فوراً اٹھ گئی تو خرم کی والدہ نے پوچھا۔

”کیا وہ لامہ کو؟“

”اچھی بھئی تھی لپکا ایک بخار ہو گیا ہے۔“ لاس نے بتایا اور لامہ کو بے حد غصہ آیا۔ اس نے سوچا وہ کیسے گھسے گا میں شاید اس کی ہتھکنی کی وجہ سے بیمار ہوئی ہوں اور پھر ان کو لے کر یہاں لاؤنگ میں بیٹھنے کی کیا ضرورت تھی ڈرائنگ روم تھا۔ ڈرائنگ روم لپکا کمرے میں بیٹھ سکتے تھے۔ وہ ابھی اتنا ہی سوچا پانی تھی کہ بھابی کھانے کی ترے لیے روم میں داخل ہوئی۔ لامہ نے فوراً آنکھیں بند کر لیں۔ بھابی نے چارپائی کے قریب آکر کہا۔

”لامہ! سو رہی ہو کیا؟“ مہمانوں کی وجہ سے تمہیں کھانا دینا ہی پڑا نہیں رہا۔“ لامہ چپ رہی۔ بھابی نے دوبارہ پوچھا۔

”اب تمہاری طبیعت کسی ہے لاس پوچھ رہی تھیں؟“

”اب تھیک ہوں۔“ لامہ نے آنکھیں کھولے بغیر جواب دیا اور کہا۔ ”مجھے بھوک نہیں اس لیے کھانا واپس لے جائیں۔“

”چائے بنا دوں؟“ بھابی نے فز سے پوچھا۔

”کوئی ضرورت نہیں۔“ لامہ نے نیز مری سے کہا۔

”اچھا پیسے تمہاری مرضی۔“ بھابی نے کہا اور کھانے کی ترے لیے وہ لپکس چلی گئیں اور لامہ مارے غصے کے سوچنے لگی صبح سے کسی کو ہر خیال تک نہیں آیا۔ سب ہنسنے کھیلنے بولنے میں لگے ہوئے ہیں۔ اب اتنی ہیں کھانا دینے اور حال پوچھنے اور لاس کو آج ولادہ کے علاوہ کسی کا خیال ہی نہیں۔ انہوں نے اس وقت خرم کو کچھ پر فوریّت دی تھی۔ جب خرم سے ان کا کوئی خاص تعلق نہیں تھا اس لیے رشتے داری ہو گئی ہے خیر سے موصوف ہونے والے دلا د ہیں۔۔۔

”ارے۔“ وہ چونک پڑی۔ لاس اس کے روم میں داخل ہوئے کہہ رہی تھیں۔

”آج او مینا اب یہ تمہارا اپنا گھر ہے اور سالیاں نہیں ہی تو ہوتی ہیں۔“ دوسرے ہی لمحے خرم لاس کی ماں لامہ کے قریب چلے آئے۔ وہ اس کی محبت تھی اور لاس نے بہن بنا دیا تھا۔۔۔

”ارے کیا وہ میری بچی کو؟“ خرم کی ماں نے محبت اور شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر پوچھا۔۔۔ لامہ نے جواب دینے کی زحمت کو انہیں کی تھی۔ لاس ہی کو پھر بتانا پڑا۔۔۔

”بخار ہے رمضان میں کام بھی تو بڑھ جاتا ہے۔ عید آئے تک چھٹکن ہو جاتی ہے اور شاید چھٹکن کی وجہ سے لامہ کو بخار ہو گیا جب کہ وہ خاموش کھڑا لامہ کو بغور دیکھ رہا تھا اور لامہ نے آخری بار تکی کے بعد اس کو آج پہلی بار دیکھا تھا۔ اسن کل کے سفاری سوٹ میں نہ صرف وہ بہت اچھا بلکہ باوقار لگ رہا تھا مگر مضبوط کے باوجود چبانے کیوں چھٹکنوں میں نمی از لگے تھی وہ مسلسل اس کو دیکھتا جا رہا تھا جیسے اس کی حالت سے لطف اندوز ہو رہا ہو۔ حال احوال پوچھنے کی اس نے زحمت کو انہیں کی تھی۔

”ڈاکٹر کو دکھایا تھا؟“ خرم نے اس کی بجائے لاس سے پوچھا۔۔۔

”کہا تو تھا ڈاکٹر کے پاس چلو گھر لامہ دانی نہیں۔ سفیدی بہت ہے یہ۔“ لاس نے خرم سے کہہ دیا اور خرم نے مزید کچھ کہنے کے بجائے سر ہلا دیا جیسے کہہ رہا ہو۔ ہاں میں بھی جانا ہوں پھر خرم کی لاس نے ہزار کا نوٹ لامہ کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

”جینی! پیچہ تمہاری عید ہے۔“

”میں کسی سے عید ہی لینا نہیں چاہتی کرتی۔“ لامہ نے بد تمیزی سے کہا۔ لاس نے گھور کر اس کو دیکھا۔ لامہ نے پروا نہ کی اور کہا۔ ”لاس! میں آرام کرتا ہوں آپ سب جائیں میرے روم سے۔“ جو بالاس اس کو کچھ سناتا ہی چاہتی تھیں کہ خرم بولا۔

”آئیں لاس اور آپ بھی۔“ پھر وہ دروازے کی جانب بڑھ گیا بغیر اس کو دیکھے۔ اس کی ماں اور لاس بھی چلی گئیں اور لامہ نے دیکھا جاتے ہوئے لاس اس کو گھور کر دیکھ رہی تھیں۔ لامہ کے کمرے سے نکلتے ہی خرم نے لاس اور عابد بھائی سے کہا۔

”عابد بھائی! ابازت دہیں چند روٹوں سے عید ملے جاتا ہے۔“

”میں چاہتی تھی سپرہر کی چائے لی کر جاتے۔“ لاس نے کہا۔

”سپرہر کی چائے پھر کبھی سنی ابھی جانا ضروری ہے۔“ خرم نے اب سے جواب دیا اور ان کو سلام کر کے دروازوں میں چلا گئے اور ان کے جاتے ہی لاس غصے سے بھری لامہ کے کمرے میں آئیں اور کہا۔

”اچھی طرح جانتی ہوں کہ تم خرم اور اس کی والدہ کو پسند نہیں کرتی مگر پہلے کی بات اور تھی اب وہ اس گھر کا دلا ہے۔“ آئندہ اس کی بلکہ دونوں کی عزت کا خیال رکھنا۔ بنوئی ہے اب وہ تھک رہا۔“ لامہ نے کوئی جواب نہیں دیا اور لاس بھی اس کی خراب طبیعت کے پیش نظر بڑبڑاتی ہوئی باہر چلی گئیں۔ ان کے باہر جاتے ہی لامہ مارے غصے کے اٹھ بیٹھی۔

”اگر کرن کی شادی خرم کے بھائی سے کسی اور کے ساتھ طے ہوئی تو کیا پھر بھی اس کا رہیہ یہی ہوتا ہرگز نہیں وہ اپنے بنوئی سے نہ صرف بہت ساری باتیں کرتی بلکہ شرارتیں بھی کرتی مگر یہاں تو معاملہ ہی کچھ اور ہے مگر گھر والے ہر بات سے بے خبر ہیں۔ مجھے خود کو سنبھالنا ہوگا۔ اپنا رویہ بدلانا ہوگا اور یہ خرم مکینہ کننا بن خرم کے آپا تھا شکر ہے کہ لباس پہننے کی تیز آگئی۔ کبھی تھری ہیں اور کبھی ٹوئیں! کبھی جھڑٹے ٹھوڑے سوٹ اور آج سفاری سوٹ پہن کر گیا تھا۔ صرف مجھے دکھانے بلکہ ترے کو کتنا فیش چہرہ تھا۔ کتنا پرسکون تھا وہ درسامبھی تو محسوس نہیں ہوا کہ مجھے چاہتا تھا۔۔۔ ذرا سی اندامت بھی اس کے چہرے پر نہیں تھی۔ مجھ سے بات کرنا بھی آج اس کو کوارا نہیں تھا۔ میرے روم میں آنے کے باوجود اس نے میرا حال پوچھنے کی زحمت نہیں کی۔ لاس کی وجہ سے مارے موت کے اندر رہا ہوگا۔“

وہ سوچتی ہو کر کھڑکی رہی۔

عید کے دوسرے دن بھابی عابد بھائی اور بچوں کے ساتھ اپنے سیکے چلی گئیں اور لاس محلے میں پھر نے نکل گئی تھیں۔ لامہ کی طبیعت کچھ بہتر تھی وہ بکن میں اپنے لئے چائے بنا رہی تھی کہ فون کی کھل ہوئے لگی۔ لامہ چائے کا کنگ پھر کر باہر آئی، ریسپونڈ کرنا نہ تھا کیونکہ دوسری طرف سے خرم نے بڑی بے قرائی سے پوچھا۔۔۔

”کرن! ایم ہونا۔“ لامہ کو کرن کے لیے اس کی یہ بے قرائی محسوس کر کے شک و گمان کا چہرہ بننے کے باوجود بول نہ سکی اور خرم نے ٹھکے پھر سے لہجے میں کہا۔۔۔

”جانتی ہو کرن! میں کھانے پر آیا تھا کہ تم سے لے کر تھک رہی تھی۔“ دوسری جانب سے پھر یہ نہیں کہ خرم نے کیا کہا کہ کرن ”جی ہاں“ کہتے ہوئے جس پڑی۔ لامہ نے یہ دیکھ کر فوراً کھڑکی بند کی پھر بستر پر بیٹھ کر آنے والے دنوں کا سوچنے لگی۔۔۔

عید کے فوراً بعد گھر میں شادی کی تیاریاں پورے سزور سے شروع ہو چکی تھیں شادی کی شاپنگ کے لئے کبھی بڑی باجی لاس بھابی کا ہاتھ بٹانے آ رہی تھیں تو کبھی چھوٹی باجی اور گھر میں مار وقت شادی اور شاپنگ کی باتیں ہوتی تھیں۔ مگر کا حال لامہ کے لیے دوزخ بن گیا تھا۔ کرن کے لیے شاپنگ ہیستہ وہ خود کرتی تھی۔ خاندان کی کوئی تقریب ہو یا کالج یا یونیورسٹی کا فکشن کرن ہیستہ اس کی پسند کا لباس پہنتی تھی لیکن لاس نے شادی کی شاپنگ کا کہا تو لامہ نے صاف انکار کر دیا بلکہ گھر میں رہنے سے آنا شروع کر دیا تھا۔ وجہ یہ کہ وہ آنے کے لیے اس نے دو گھنٹے کی اسکول کے لٹری ڈیوٹن پر حلفی شروع کر دی تھی۔ یہ دیکھ کر لاس سے مضبوط کرنا مشکل ہو گیا اور انہوں نے غصے سے کہا۔

”لامہ! آج کل تمہیں اسکول سے جلدی آنا چاہیے اور تم نے مزید دیر سے آنا شروع کر دیا ہے۔ یہ کوئی طریقہ ہے۔“

”بھوری ہے اپنے حقوق سے دین نہیں کرتی۔“ لامہ نے بھی تنگ لہجے میں کہا۔

”یہ نیوٹن کا نیا شوق پال آیا ہے تم نے۔ وہ بھی اس وقت جب گھر میں سب شادی کی تیاریوں میں لگے ہوئے ہیں۔ تمہیں نیوٹن پڑھانے کی کیا ضرورت تھی۔ کسی جمہوری تھی کھانے کو نہیں دیتے تم لوگ تمہیں اپنا پہننے کو نہیں دیتا جان بوجھ کر گھر سے باہر ہٹے کا ہانا نہ دھوڑا ہے تم نے۔ گھر میں بھی تمہاری ضرورت ہے نہ ہمارے ساتھ شاپنگ کے لیے جاتی ہونہ تمہاری لائی ہوئی چیزیں دیکھتی ہو نہ یہ تمہیں آخر وہ کیا جا رہا ہے۔ کچھ نہیں بھی تو یہ چلے گیا ہے یا تو تم؟“ لاس نے پوچھا تو لامہ بولی۔۔۔

”مجھے کچھ نہیں ہو اماں! شاپنگ کے لیے اس لیے آپ کے ساتھ نہیں جاتی کیوں کہ اس وقت میں اسکول میں ہوتی ہوں۔ نیوٹن کو بھوری اس کے لیے کہہ لیں کسی نے بہت منت کی تھی کچھ نیوٹن پڑھادیا کریں اور میں انکار نہ کر سکی مالانہ نیوٹن اس نے جان بوجھ کر خود حاصل کی تھی۔“ اور آپ نے شادی کی شاپنگ نہ دیکھنے کی بات کی ہے تو جب آپ ساری شاپنگ مکمل کر لیں گی تب ایک ساتھ ہی دیکھ لوں گی۔ اسکول سے اتنا تھک کر آتی ہوں کہ کھانا کھانے کو بھی نہیں چاہتا۔ اسکول سے آتے ہی کپڑے تبدیل کر کے سو جاتی ہوں۔ کھانا بھی شام ہوتا ہے۔



”خیر جو بھی ہے کل سے تم اسکول نہیں جاؤ گی۔“

”مگر کیوں لاں؟“ لالہ نے حیران ہو کر پوچھا کہ سب کچھ کن کر بھی لاں کی کچھ میں کچھ نہیں آیا تھا۔۔۔

”تمہیں اچھی طرح معلوم ہے لالہ کہ کرن کے لیے لباس کا انتخاب ہمیشہ تم کرتی ہو۔ کل اس کے سوٹ لینے جاتا ہے اس لیے تم ساتھ چلو گی۔“

”لاں اب کرن کی شادی ہو رہی ہے۔ اپنے لباس کا انتخاب اسے خود کرنا چاہیے۔ شادی کے بعد تو اس کے لباس کا انتخاب مجھے نہیں کرنا ہے جو وہ خود کرے گی تو پھر شادی سے پہلے کیوں نہیں۔“ لالہ نے ایک بار پھر ان کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا تھا جب کرن جو کمرے میں ٹیٹھی سب باتیں سن رہی تھی باہر نکل آئی اور کہا۔۔۔

”آئی! اگر کل آپ میرے ساتھ نہیں گئیں تو میں بھی نہیں جاؤں گی۔“

یہ سن کر لالہ کو اختیار دلانے پڑے۔ اگلی صبح وہ اسکول جانے کی بجائے کوئی بارہ بجے کے قریب بھائی نور کرن کے ساتھ پہلی بار شاپنگ کے لیے گئی۔ لاں نے کہہ دیا تھا ان سے کہ وہ پہر کا لکھا اور خود ہی بتا لیں گی۔ سارا دن ہی شاپنگ کی نظر رہا تھا۔ لالہ نے بھی خرم کو بھول کر چھوٹی بہن کی خوشی کے لیے ہنستے مسکراتے شاپنگ کی۔ لکھا، بھی ان تینوں نے گھر سے باہر کھلایا تھا۔ کرن کے عروسی جوڑے کا انتخاب بھی لالہ نے خود کیا۔ کرن بچہ خوش تھی۔ اگر کسی لکھیا سوٹ کے خوالے سے لالہ اس کی رائے پوچھتی تو وہ ہر ما کر کہتی۔

”آپ نے زیادہ اچھا انتخاب میں نہیں کر سکتی آپ کی چوائس بے حد اچھی ہے۔“

اس کی بات سن کر لالہ نے سوچا۔ ”خرم بھی میرا انتخاب تھا۔۔۔ نہیں میں اس کا انتخاب تھی۔ میرے دکھائی نہ دیئے پر وہ پاگل ہو جاتا تھا۔ کبھی پاگل پاگل بھرتا تھا۔ میری محبت میں کوئی محبت۔“ اس نے غرت سے سر جھٹکا پھر سب کچھ بھول کر وہ بارہ شاپنگ میں صرف ہو گئی۔

شام کے قریب وہ تینوں شاپنگ کے گھر میں داخل ہوئیں تو خرم لاؤنچ میں لاں اور بچوں کے ساتھ باتوں میں صرف تھا۔ کرن تو شرمیلی گھبرائی اپنے روم میں چلی گئی اور لالہ شاپر اس کے کمرے میں چھوڑ کر باہر نکلے تو بھائی خرم کے پاس ٹیٹھی تھی۔ لاں نے لالہ کو کیستے ہی کہا۔

”لالہ! خرم کے لیے ایک کپ چائے تو بنا دو۔ کب سے آیا بیٹھا ہے مجھے تو بچوں نے لاہر لاہر ہونے نہیں دیا۔“ لالہ سنی آئی کر کے اپنے روم میں آئی اور دل میں سوچا۔ بھائی بھی پاس ٹیٹھی تھیں اور لاں کو میں ہی نظر آتی تھی چائے کا کہنے کو۔ کینڈا دن چائے اگر کر گیا تھا۔ آج بیٹھا ہے چائے کے انتظار میں ہرگز نہیں بنا کر دیں گی۔ لاں ڈانٹ ہی لیں گی پہلے تو ڈانٹ لیتی ہیں۔ اس نے تو خرم کو سلام کرنا بھی کوارا نہیں کیا تھا۔ سلام کرنا تو دور کی بات لالہ نے ایک نظر دیکھنا بھی کوارا نہیں تھا۔ سرین کی بارات ولسٹون لالہ کے بے غیرت کہنے پر اس نے کتنے زور لہر بے رحمی سے تھپڑ اس کے رخسار پر مار کر کہا تھا۔

”کیا بے غیرتی دیکھی ہے تم نے مجھ میں۔۔۔؟“ لالہ کا جی چاہتا تھا اگر تہائی میں مل جائے اور اس سے کہے کہ اس سے بڑھ کر وہ بے غیرتی کیا ہوتی ہے۔ محبت بڑی بہن سے پور شادی چھوٹی بہن سے مگر اب وہ اس کیسے کی شکل بھی دیکھنا نہیں چاہتی تھی۔ جس نے اس کا دن کا سکون اور رات کا آرام عارت کر دیا تھا۔

وہ آرام کرنے کی کفرض سے ابھی بستر پر لیٹی ہی تھی کہ لاں اس کے روم میں داخل ہوئی اور ڈانٹنے ہوئے کہا۔۔۔

”لالہ! تم چھوٹی نہیں ہو جو تمہیں بار بار سمجھا پڑے کہ خرم اب اس گھر کا دلاوہ ہے۔ اس کی عزت تمہارا فرض ہے اور تم نے خرم کو کیستے کے باوجود سلام نہیں کیا اور پھر میں نے تمہیں اس کے لیے ایک کپ چائے بنا نہ کا تھا تو تم یہاں آرام کرنے بیٹھ گئی ہو۔ کچھ خیال کرو بھولوب اس کے لیے اپنے اس روپے کو۔“

”لاں مجھے سلام کرنا یا نہیں ہر ماہور یہی شاپنگ ساری میں نے ہی تو اٹھا رکھی تھی اور چائے کا آپ بھائی سے بھی کہہ سکتی تھیں۔ سارا دن پھرنے کی وجہ سے میں تھک چکی ہوں۔“ لالہ نے خود کو سنبھال کر نرمی سے کہا اب وہ لاں کو لادری کہ بات کیا تانی کہ سلام کرنا تو دور کی بات اب اس کی موجودگی ہی بنا قابل برداشت ہے۔

”کیا بات کرتی ہو تو زبردستی کو لے کر اپنے روم میں چلی گئی ہے۔ اب کرن تو باہر آ کر چائے بنا سے سر ہی۔ اٹھو جلدی کرو۔ خرم نے خود مجھے ایک کپ چائے کے لیے کہا تھا۔“ لاں یہ کہہ کر چلی گئیں تو لاں نا خواستہ لالہ کو لکھا پڑ ہوا ہر آئی اور خرم کو دیکھے بغیر بہن میں چلی گئی۔ چائے بنا کر کپ میں ڈالتے ہوئے لالہ نے بے رحمی سے سوچا۔

”اسکا کاش اٹھو! اسار ہوتا تو وہ بھی ساتھ مل دیتی۔“ لالہ یہ بات صرف سوچ جاسکتی تھی زبردستی ہی تو ڈانٹنا ممکن تھا کہ خرم اب اس گھر کا دلاوہ تھا۔ اس نے کپ پر حق میں رکھا پھر لاں کے پاس بیٹھنے خرم کے قریب آئی اور منہ سے کچھ بھی کہے بنا کپ اس کی سمت بڑھا دیا۔ خرم نے جیسے دیکھا ہی نہیں اور لاں بھی باتوں میں صرف رہیں۔ خرم کی اس بے خبری پر لالہ کا جی چاہا باں دن اس کے پاؤں جلائے تھے آج اس ذلیل انسان کا چہرہ ہلکا ڈالے جو جان بوجھ کر خود کو بے خبر ظاہر کر رہا تھا مگر ضبط کرتے ہوئے لالہ کو کہنا ہی پڑا۔

”چائے۔۔۔“ خرم نے چہرے کا رخ اس کی جانب موڑتے ہوئے ایک نظر اس کو دیکھا پھر بے نیازی سے ٹیبل کی سمت اشارہ کر دیا کہ یہاں رکھ دو۔ منہ سے کچھ بھی کہنے کی رحمت نہیں کی تھی۔ لالہ نے جھک کر چائے میز پر رکھ دی تھی جب وہ اپنی رست واپس ایک نظر ڈالتے ہوئے جلدی سے اٹھ کھڑا ہوا اور کہا۔

”لاں اب مجھے اجازت دیں۔ مجھے یاد نہیں رہا۔ بچہ ضروری ایک کام سے جاتا تھا۔“

”مگر بنا چائے۔“ لاں نے اس کو بہت سے دیکھا۔

”چائے پھر کبھی کسی ہر اخوا بنا ضروری ہے۔“ کہہ کر اس نے نظریہ نظروں سے لالہ کو دیکھا۔ جیسے کہہ رہا ہو نہیں اگر غیر ضروری بندوں کے لیے چائے بنا پائندہ نہیں۔ جو مجھے بھی تمہارے ساتھ کی چائے پینی پائندہ نہیں۔ پھر وہ لاں کا جواب سننے بغیر ہی چلا گیا تو لاں نے لالہ کو کھورتے ہوئے کہا۔

”جب چائے بنا نہ کا کہا تو بنا ہی نہیں انداز جا کر آرام کرنے بیٹھ گئی۔ اب یہ چائے خود ہی پی او۔“ لالہ وہ اپنے کمرے میں چلی گئی۔

سارا دن پھرنے کی وجہ سے لالہ کو چائے کی شدہ یہ طلب ہو رہی تھی لیکن محض تھکن کی وجہ سے وہ چائے بنا نہ کی بجائے آرام کرنے کی لیت گئی تھی کہ کو خرم کا چائے چھوڑ کر جانا اس کی تو جین تھا مگر اس نے محسوس کیے بغیر بڑے آرام سے چائے کا کپ اٹھایا اور اپنے روم میں آکر جہیز پر بیٹھ کر سب پر سب لینے لگی پھر نہ جانے کیا ہوا کہ چائے پی کر وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چسپا کر چھوٹ چھوٹ کر روئے لگی۔

دوسرے دن بھی وہ کرن کے ساتھ شاپنگ کر رہی تھی۔

اب کے بھائی کی جگہ ان کے ساتھ خرم کی والدہ تھیں۔ اس میں یہ کرن کی بری کی شاپنگ تھی خرم کی ماں نے بتایا۔

”خرم کہتا تھا بری کی شاپنگ کے لیے کرن کو ساتھ لے کر جائیں تاکہ وہ اپنی مرضی اور پسند سے شاپنگ کرے۔“ لالہ کرن ایسے میں لالہ کو کہاں چھوڑنے والی تھی۔ اس دن بھی لالہ تھکن سے ہر رو کر آئی تھی وہ بچہ خوش تھی کہ اس نے بچہ خوشی شاپنگ کی تھی۔ خاص کر وہ یہ کا سوٹ خاصا مہنگا تھا۔ خرم کے نزدیک وہ سے زیادہ پیسے خرچ کرنا چاہتی تھی۔ خرم کی والدہ نے کسی بات پر اعتراض نہیں کیا تھا۔

لالہ نے اسکول سے صرف تین دن چھٹیاں لی تھیں۔ پہلے دن جیجر کے سوٹ خریدے گئے۔ دوسرے دن بری کے سوٹوں کی خریدی مکمل ہوئی اور تیسرے دن محض دونوں طرف کے جوتوں کی خریدی لری کا تھا۔ جو تے وہ بیٹنگ کے لیے رہی تھی تو اسے تب اپنا کپ لایا تو خرم نے کہا تھا۔ ”تم لاہر لاہر کی فضول باتیں کرنے کی بجائے اپنی ذمہ داری بتاؤ۔ کتنا بھر چاہے تمہیں کتنا کپڑا اور کتنے جوتے چاہیے تمہیں لپٹے لیے۔“ جوتوں کا لفظ اس نے آخر میں استعمال کیا تھا اور پھر کرن سے شادی کا فیصلہ کر کے اس نے لالہ کے منہ پر واچی جو تانا دیا تھا۔

اور اب لالہ کے لیے اذیت ناک سوچوں کے سوا کچھ باقی نہ رہا تھا۔۔۔

تین دن بعد اس نے پھر اسکول جا مشروع کر دیا تھا اور کافی حد تک خود کو کنٹرول بھی کر لیا تھا۔ خرم اب اکثر کرن کو فون کرنے لگا تھا۔ اگر کبھی بھول کر بھی لالہ رے یہ روٹھا لیتی تو وہ لالہ کا کام لے لے بغیر کہتا۔

”پلیز! کرن سے بات کرو لو میں۔“ لالہ لالہ کرن کو آواز دے کر روم میں آجاتی۔

اس دن چھٹی تھی۔ لالہ جیجر کی نماز پڑھ کر پھر سو گئی تھی کہ لاں نے کپڑوں کی دھلائی کے لیے عورت رکھ لی تھی پھر وہ جب اچھی سب مائیکر کچھے تھے پھر آپا اسماء آئی ٹیٹھی تھیں۔ وہ لاں کے ساتھ باتوں میں صرف تھیں۔ لالہ ان کو سلام کر کے کہن میں آئی تو لاں کی سرکشانی نما آواز سنائی دی۔

”خرم لالہ کے لیے لپٹے دوست کا رشتہ لایا ہے۔ چھوٹی شملی ہے۔ صرف ایک بہن اور ایک بھائی اور بچہ میرا بڑا ہے۔ لکھے لوگ ہیں۔ لب تم ذرا لالہ سے پوچھ کر دیکھو اگر مان جائے تو کرن کے ساتھ ساتھ اس کے کفرض سے بھی فارغ ہو جاؤں۔“

”لاں! اچھا چھٹی میں لیتی ہوں مگر لالہ کو لکھا انکڑا ہے۔“ آپا اسماء نے پورے یقین سے کہا۔

”وہ بعد کی بات ہے۔ ذرا پوچھ کر دیکھو وہ کتنا ہے مان ہی جائے۔ پتا نہیں مپا کس کا کیا ہو گیا ہے؟“ لاں اس کے لیے پریشان تھیں اور لالہ کا یہ سب سنتے ہی موڈ آف ہو گیا۔ اس نے پورا رشتہ بنانے کی بجائے صرف چائے بنائی ہوئی اور اسٹول پر بیٹھ کر چھوٹے چھوٹے سپ لیتے ہوئے خرم کی کینکلی کا سوچنے لگی۔ محض اس کو پتا نہ کہ لالہ اب وہ اس کی پروا نہیں کرتا وہ اس کے لیے خود رشتہ لایا تھا۔ اس کا ایک مطلب یہ بھی ہو سکتا تھا کہ وہ لب اس کو بھی شادی کی اجازت دے دے گا۔ اگر یہ بات ہے تو خرم کے لائے ہوئے رشتے کے لیے ہاں کرنے کی بجائے بھائی کے بھائی قیوم کے ساتھ شادی کرنا پسند کرے گی۔ امریکہ میں رہتا ہے اور ٹھیک شاہ کا کتا ہے اور بھائی بتاری تھیں۔ وہ شادی کے بعد اپنی بیوی کو بھی امریکہ بلا لے گا۔ ہاں یہی ٹھیک ہے۔ اس طرح اس کیسے کا بیٹا بار بار سامنا دے سے بھی جان چھوٹ جائے گی مگر وہ اپنی زبان سے مجھے شادی کرنے کی اجازت دے گا تو میں شادی کر سکوں گی؟ یہ نہ تو کہ میں شادی کے لیے ہاں کر دوں تو وہ کوئی نئی ذلالت کر بیٹھے۔ ہو سکتا ہے وہ مجھ سے آزار پہا ہو کہ میں باہر شادی کے لیے ہاں کرتی ہوں یا نہیں وہ اگر کرن سے شادی کر رہا ہے تو اس وجہ سے کہ میں نے اس کے ساتھ شادی کرنے سے مکمل انکار کر دیا تھا وہ بہت کمینہ اور ذلیل انسان ہے۔ وہ کبھی بھی مجھے شادی کرنے کی اجازت نہیں دے گا مگر اب وہ مکمل کر مجھے شادی کرنے سے روک بھی نہیں سکتا۔ خود جو شادی کر رہا ہے وہ خود ہی سول کر رہی تھی خودی جواب دے رہی تھی پھر اس نے سوچا۔

”افوہ۔ یہ سرین بھی ہی کیسی اٹلی۔ عید کے دن بھی تمہیں کچھ نہ ملے گا۔“ لالہ نے اپنے منہ سے کہا۔ آج لالہ نے تو وضاحت سے پوچھا کہ لاں کی مگر وہ





اٹھا کر پٹنے لگی۔ اس کو معلوم تھا وہ اس کے ہاتھ کی پالنے کیوں نہیں دیتا اور آج وہ جتنا بھی گیا تھا کہ یہ پالنے کی کسی خاص ذمہ کو پاؤں میں وہ سب پا لے گی کہ فارغ ہو گئی تھی۔  
تھے کہ لالہ نماز پڑھ کر آگئیں فوراً تے ہیں پر چھا۔

”خرم چائے پی کر نہیں آیا؟“

”ہاں اس کے پیچا کو اس سے آنے والے تھے۔ وہ اس کے آنے سے پہلے دوست کے ہاں چلا گیا پھر وہاں سے سیدھا صوفی آگیا۔ اب گھر گیا ہے۔“

”اگرے ٹوٹی! جاؤ کرنا پھو پھو سے بولو خرم پھو پھو چلے گئے ہیں۔ وہ آ کر کھانا کھالیں۔“ ٹوٹی چلا گیا۔ کچھ ہی دیر بعد کرن باہر آگئی اور کہیں میں گئی تو لالہ نے آپ کے کہا۔

”اگلی تو کوئی سب نہیں آجایا بیٹنگل کرنی ہے۔“ پھر شادی کی باتیں ہونے لگیں لالہ نے بتایا۔

”عابد کہتا ہے عید الاضحیٰ کے بعد جو پہلی تو آئے گی وہی برأت کے لیے مناسب ہے جب کہ خرم چاہتا ہے کہ شادی عید سے پہلے ہو۔ دیکھو اب کیا تاریخ طے ہوتی ہے۔“

لالہ یہ سب سن کر اپنے روم میں آگئی۔ اگلے روز وہ اسکول آنے کے بعد بھی کپڑے تبدیل کر کے باہر آئی تھی کہ بھائی کا بھائی قیوم آیا گیا۔ لالہ کو دیکھتے ہی پوچھا۔

”لالہ! بھئی! آپ کہاں ہے؟“ لالہ نے دل میں سوچا۔ عید والے دن لالہ نے خرم سے جب وہ اس کی عبادت کو اس کے روم میں آیا تھا کہا تھا۔ ”آؤ بیٹا رک کیوں گئے تمہارا

اپنا گھر ہے پھر پھر سالیانہ بخش ہی تو ہوتی ہیں۔ اگر ماں نے مفت میں اس کی بکن بنا دیا جو اس کا محبوب تھا۔ اس سے محبت کرتا تھا۔ وہاں قیوم کی اہمیت ہی کیا ہے۔ وہ تو

صرف شادی کرنا چاہتا تھا۔ یہ اور بات شادیہ نے بھی تھی کہ بھائی جان تو پہلی نظر میں ہی تمہاری محبت میں گرفتار ہو چکے تھے۔ لالہ ٹھیک کہتی ہیں۔ یہاں کوئی کسی سے محبت

نہیں کرتا۔“

”لالہ! انتہائی تم نے آپ کہاں ہیں؟ آج میری خریداری کے لیے جانا تھا۔ آنے سے پہلے فون کر کے کہا بھی تھا کہ آپ تیار رہنا مگر آپا بھائی کہاں ہیں؟“ معاہدہ خاموش ہو

گیا کہ فون پر چاروں طرف اپنے روم سے نکل آئی تھی۔

”چلو! چلو! گھر آ کر رہی تھی ورنہ وہ ساتھ جانے کی ضد کرتا۔“ پھر وہ لالہ کو چھوٹے کا حیان رکھنے کا کہتے ہوئے بھائی کے ساتھ چلی گئی اور لالہ کہن میں چلی آئی۔ یہ

سارے حالات اس کی برداشت سے باہر ہوتے جا رہے تھے۔ خاص کر وہ یہ سوچ کر پاگل ہوتی جا رہی تھی جب شادی کے بعد خرم باغیر کسی بوک ٹوک اس گھر میں باہر

آنے کا خدشہ آیا کر گئی۔ وہ بھی اس کی اتنی دیر تک رہا تھا۔ شادی کے بعد وہ بھائی نے کیا کیا کہے گا۔ اس کا بیٹا بننا تھا وہ پھر چھوڑ کر کسی ایسی جگہ چلی جائے جہاں اس

کی نگہبانی سے بچ سکے اور اس کا سامنا کرنے سے بچ جائے۔ مگر بھائی نے بھی تو کہاں ۔۔۔

رات بھائی گھر آئیں تو بتایا کہ سوئے کے تین سیٹ ایک درجن چڑیاں باقی جیسے نیا تھ وہ پھر پچاس سوٹ پھر وہ باقی تحصیل بتانے لگی تو لالہ اٹھ کر اپنے روم میں آگئی کہ

کہ بات غلطی گھر وہ کسی کی بھی شادی بیاہ کی باتیں نہیں سکتی تھی۔ اس ذلیل انسان نے نہ خود اس کے ساتھ شادی کی تھی اور نہ کسی کے ساتھ کرنے کے لائق چھوڑا

تھا۔ اس پر وہ کمینہ بروز کرنا کو لیے فون کر کے اس کی جان الگ بنا دیا تھا۔

جدو کہ باغیچے میں وہ بیٹھ کر سوئے کے وہ اسکول سے جلدی آئی تھی۔ اب کے وہ آئی تو لالہ چھوٹے پوتے کو کہہ میں لیے بیٹھی تھیں۔ کہ اس کی طبیعت ذرا لاساز تھی جب کہ

بھائی کہن میں کھانا ہاری تھی۔ کرن شاید اپنے روم میں تھی۔ لالہ نے اس کو دیکھتے ہی کہا۔

”لالہ! جلدی سے تیار ہو جاؤ۔ آج کرن کا زیور لینے جا رہے۔ کھانا اب لوٹیں آ کر ہی کھانا۔“ لالہ بھی اچھا کہہ کر اپنے روم میں آئی۔ ایک اچھا سا سوٹ پہنا اور جب باہر آئی

تو کرن فل تیار کی کے ساتھ لالہ کے پاس کھڑی تھی۔ لالہ نے پوچھا۔

”اس کا زیور لینے آئی ہے آپ بھی ساتھ جا رہی ہیں یا بھائی؟“ لالہ کے جواب دینے سے پہلے ہی خرم کی ماں بی بی چلی آئیں اور نو کو دیکھ کر لالہ نے کہا۔

”نہیں نہ تمہاری بھائی۔ آج پھر تمہیں اپنی خالد کے ساتھ جانا ہے۔ کرن کی بری کا زیور لینے جانا ہے۔ جیسے بری کے سوٹ لینے کی تھی۔“ یہ سن کر لالہ کا سوا آف ہو گیا مگر کرن

کی خوشی کے لیے وہ چپ رہی پھر سوچا کہ خرم ساتھ ہے۔ وہ خرم کی ماں اور کرن کے ساتھ باہر آئی اور پھر رگ گئی۔

خرم بالکل نئی گاڑی لیہاں کے کورڈ سے کے ساتھ کھڑا تھا۔ اس کو دیکھ کر اس کے گھر ایک آگ سی لگ گئی مگر اب انکا نام نہ تھا۔

”آئی! آئی! اس ماں رک کیوں گئیں۔ چلیں پہلے آپ بیٹھیں۔“ کرن نے دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔ وہ ٹوٹی تو کرن بھی اس کے ساتھ بیٹھ گئی اور وہ دروازہ بند کر دیا جب کہ خرم

کی والدہ خرم بیٹھ پر بیٹھے کے ہر ہر بیٹھ گئیں تو خرم نے گاڑی آگے بڑھا دی۔ لالہ نے سوچا مجھے دکھانے کے لیے نئی گاڑی لایا ہے۔ اپنا شور مچا ہے۔ ایک کے بجائے دو

بھی لاسکتا ہے۔ لالہ نے گاڑی میں گھبر رہی دیکھا وہ اس کے بجائے کرن کو دیکھ رہا تھا۔ لالہ پھر دوڑ کر کرن کی سے باہر دیکھنے لگی اور تب تک دیکھتی رہی جب تک کرن کی

آواز نہ سنائی۔ وہ کہہ رہی تھی ۔۔۔

”آئی! گاڑی رک ہوئی ہے۔ اب باہر آئیں۔“ وہ ٹوٹی پھر دروازہ کھول کر باہر نکل آئی۔ اس کے بعد کرن جب کہ وہاں بیٹھ ہی گاڑی سے باہر آچکے تھے۔ لالہ ”کرن

کے باہر آتے ہی خرم نے گاڑی کو لاک کیا اور ان کے آگے آگے چلے گئے۔ وہ تینوں کو ساتھ لیے جیولری کی ہڈی دکان پر آیا اور پھر وہاں آرام لور سکون سے بیٹھ کر جیولری

دیکھنے لگے خرم کے ایک جانب اس کی ماں بی بی تھیں تو دوسری جانب لالہ اور لالہ کے ساتھ کرن بیٹھی تھی۔ لالہ نے آنکھیں ملے کہا بھی تھا۔

”کرن! تمہارا گھیر ہے اس کے ساتھ تم بیٹھو۔“ اس کی بات سن کر کرن نے ایک شرابی منکرانہٹ کے ساتھ بھی آواز دیا۔

”آئی! مجھے شرم آتی ہے ان کے ساتھ بیٹھتے ہوئے۔ پلیز آپ بیٹھ جائیں۔“ یوں لالہ کو خرم کے ساتھ بیٹھنا پڑا تھا اور اب ہوتا یہ تھا کہ وہاں دار پہلے پگھول کر خرم کی والدہ

کے سامنے رکھتا۔ وہ خود دیکھنے کے بعد خرم کو پکارتی اور خرم اچھی طرح دیکھنے کے بعد پھر اس بیٹی لالہ کو پکارتے کی بجائے اس کے سامنے ہاتھ دیا اور کرن کو ہاتھ دیا اور

کہتا۔۔۔

”لوڈز! دیکھو اب پسند کرو۔“ کرن خود دیکھنے کے بعد لالہ کو دکھا کر اس کی رائے پوچھتی۔ یوں سارے فیصلے کرن کی خریداری مکمل ہوئی۔ آخر میں خرم آگئی دیکھنے لگا۔ جب

پسند کر لی تو کرن سے کہا۔

”کرن! ذرا اپنا ہاتھ مجھے دینا۔ آگئی پہنا کر دیکھنی ہے۔“ یہ سن کر کرن کو دھیر دھیر شرم آگئی اور اس نے آہستگی سے کہا۔ ”میرا ہاتھ اپنی کا ساڑی ایک ہی ہے۔ ان کی اگلی میں پہنا

کر دیکھ لیں۔“ یہ سن کر خرم کا سوا آف ہو گیا اور اس نے ذرا سخت لہجے میں کہا۔

”شادی تم سے کر پاؤں۔ تمہاری آئی سے۔“ یہ دیکھ کر کرن نے ہاتھ بلدی سے خرم کی جانب بڑھا دیا اور اس کی اس بات پر لالہ مارے سخت کے بچاؤ بھی نہ اٹھا سکی۔ نہ

سے کچھ کہتا تو دور کی بات وہ جو ہر بات پر اس کو چھوٹا اپنا فرض سمجھتا تھا اب بات کرنے سے بھی گریز کرتا تھا۔

خرم نے کرن کی اگلی میں آگئی ڈال کر دیکھی پھر اترتے ہوئے۔ ”ہاں نمیک ہے۔“ کہہ کر اس نے آگئی دوبارہ جیولر کے ٹولے پیک کرنے کا کہہ دیا مگر کرن کا ہاتھ

چھوڑنا جیسے بھول گیا تھا۔ کرن نے خود ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی مگر اس کی گرفت مضبوط تھی۔ یہ دیکھ کر کرن نے لالہ سے کہا۔

”آئی! ان سے کہیں میرا ہاتھ چھوڑیں۔“ لالہ کہتا تو نہیں جانتی تھی مگر وہ بھی دھڑب دھڑب ہوتی تھی کہ یہ دونوں ہاتھ اس کے سامنے تھے۔ اس لیے ہستہ سے نام لیے بغیر کہا۔

”کرن! ہاتھ تو چھوڑ دیں۔“ مگر خرم نے جیسے سنا ہی نہیں۔ لالہ نے سوچا مجھے پتے نہ کہ ہاتھ نہیں چھوڑ رہا۔ جتنی ہے میری جوتی لیکن یہ الگ بات تھی کہ لالہ ہی لالہ کو کچھ

ہوئے لگا تھا اس نے آؤ دیکھا نہ خرم کے ہاتھ میں دبا کرن کا ہاتھ خود چھڑانے کی کوشش کی اور خرم نے نہ صرف چونک کر اسے دیکھا بلکہ وہ دے دے لہجے میں ان کا واری سے

کہا۔

”کیا تکلیف ہے تمہیں۔ یہ تمہارا ہاتھ نہیں ہے یا اب کسی اور کا ہاتھ میرے ہاتھ میں برداشت نہیں ہو رہا۔“ بات ختم کر کے اس نے نظریہ نظر مل سے لالہ کو دیکھا اور ہاتھ بھی

چھوڑ دیا۔ اس کی بات سن کر لالہ پر گھڑوں پانی پڑ گیا۔ وہ کوشش کے باوجود ایک بار پھر بچاؤ نہ اٹھا سکی۔ اس کی بات کا جواب دینے تو دور کی بات تھی سخت شرمندگی اور تو جین کا

احساس ہو رہا تھا۔ چار ہاتھ ابھی اٹھ کر گھر بھاگتی ہوئی چلی جائے۔ مگر کرن کی وجہ سے ضبط کیے بیٹھی رہی۔

ٹل ہوئے کے بعد خرم نے ان سب کو اٹھنے کا اشارہ کیا تو وہ سب گاڑی میں بیٹھنے لگے خرم نے کہا۔

”اب پہلے وہیے کا سوٹ لیتے ہیں۔“ یہ سن کر خرم کی والدہ نے کہا۔

”وہیے کا سوٹ اس دن لالہ اپنی پسند سے کرن کو لے دیا تھا۔“ اس کی بات سن کر خرم نے اس کو جواب دینے کی بجائے بیک مرر میں لالہ کو دیکھتے ہوئے کرن سے مخاطب

ہوا۔

”کرن! مٹنی کے دونوں سوٹ میں نے اپنی پسند سے لیے تھے۔ اب وہیے کا سوٹ بھی میں اپنی پسند سے لے گا۔“ لالہ سوچنے لگی وہ سوٹ میں نے اپنی پسند سے لیے

تھے۔ بہت اچھے تھے مگر وہ کہہ نہ سکی۔

خرم ان کو ساتھ لیے ایک بڑی ایک پر آیا اور نہ صرف وہیے کا بے حد قیمتی سوٹ لایا بلکہ مری جوڑا بھی اپنی پسند کا لے لیا تو کرن نے کہا۔

”مری جوڑا تو والدین کے گھر سے ہوتا ہے۔“

”کہاں لکھا ہے کہ مری جوڑا والدین کے ہی گھر سے پہنا جاتا ہے۔“ خرم نے لالہ کو دیکھتے ہوئے جرح کرنے والے لہجے میں کرن سے پوچھا۔ کرن چپ رہی تو خرم نے

کہا۔ ”تم میری اپنی آپنی کی پسند سے لے رہی ہو اب بیٹھیں انہوں نے اچھا خریدے اپنے ہاتھیں۔“ مگر خرم نے نہ کہنا آج کل کوکل لگن نہیں زور پکڑے اور جو تے ہی تو دیکھتے

ہیں۔ ”جوڑا کا کٹھ اس نے آج بھی آخر میں استعمال کیا تھا۔“ کرن میں چاہتا ہوں یہ دونوں سوٹ علی قسم کے ہوں۔ اس لیے یہ دونوں سوٹ میں اپنی پسند کے لے رہا

ہوں۔“

”وہیے مٹنی کے جیسے سوٹ علی قسم کے تھے۔“ لالہ نے ایک بار پھر منہ ہاتھ ہوئے دل میں سوچا جب کہ کرن کہہ رہی تھی۔

”چلو! نہی! آپ ٹھیک کہتے ہیں لیکن مری جوڑا والدین کے جوہری کا سولے سوٹ پہلے خریدے۔“ خرم نے کہا کہ کیا کریں گے۔ یہ بھی تو سوچیں وہ بھی بے حد قیمتی ہیں۔“

”وہ اپنی آپنی کی شادی پر ان کو لوٹ کر دینا۔“ لالہ نے کہا مگر وہ کہن کی طرف متوجہ تھا۔ لالہ جیں

سوٹ میں بیوس وہ اپنے دراز قد کی وجہ سے کرن کے ساتھ کھڑا ہے جب اچھا لگدہا تھا۔ اس کے چہرے پر مودوسیانہ مٹھی مچھلیں اس کی مردانہ وجاہت میں اور بھی اضافہ کر رہی تھیں۔ مل ادا کرنے کے بعد خرم ان سب کے ساتھ باہر آیا۔ سچرا گڑی میں بیٹھتی ہی اس نے کہا بلکہ کرن سے پوچھا۔

”ہاں بھئی کرن! اب بتاؤ کھانا کھانا کہاں چلیں کیونکہ کھانے کا نام ہو رہا ہے؟“ کرن کے کچھ کہنے سے پہلے ہی لملہ نے آہستگی سے کہا۔

”کرن! اس کو یوں بھر چلیں۔ کھانا گھر جا کر کھائیں گے۔“ گوکہ لملہ نے بہت آہستگی سے یہ بات کہی تھی مگر خرم نے سن لی تھی اور لوٹوئی آواز میں کرن سے کہا۔

”کرن! تمہاری آئی کو اگر گھر جانے کی جلدی ہے تو میں ان کو رکھ کر لو بیٹا ہوں۔“ یہ لملہ کی تو جین تھی۔ کرن نے بھی محسوس کر لی اور کہا۔

”کھانا گھر جا کر ہی کھائیں گے۔ آپ گھر چلیں۔“ آئی کی طبیعت بھی کچھ ٹھیک نہیں لگتی۔ ”جب کہ اس کی بات سے لملہ کی آنکھوں میں نمی اترنے لگی تھی جس کو چھپانے کے لیے وہ کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔

”اوکے جو حکم حضور کا۔“ خرم نے مسکرا کر کہا اور گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے پوچھا۔ ”آؤس کریم یا کولڈز رک تو چلے گی نا۔“ اور کرن نے ہاں کہہ دیا۔ یوں راستے میں ایک کولڈز رک کار پر پرک کر کرن کو آؤس کریم کھلائی۔ اس کو جس نے کر دیا اور خود لوک کرے ہوئے بڑے گھونٹ بھر تے ہوئے لملہ کو دیکھتے ہوئے نہجانے کیا سوچتا رہا۔ جس نے کچھ بھی کھانے پینے سے انکار کر دیا تھا۔ کولڈز کار سے فارغ ہوتے ہی وہ سیدھے گھر چلے آئے۔ گاڑی رکستے ہی سب سے پہلے دروازہ کھول کر نکلے ولی لملہ تھی۔ اپنے پیچھے اس نے خرم کی مٹی کی آواز سنی۔ وہ یقیناً کرن سے اس کے بارے میں کچھ کہتے ہوئے ہوا تھا مگر وہ کی نہیں۔ اندرائی تو اس نے اس کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”آئی در کردی اور کرن کہاں ہے؟“

”وہ بھی آ رہی ہے۔“ لملہ نے کہا پھر ملاں کے قریب رکستے ہوئے بتایا۔ ”مل! آپ کو پتا ہے خرم بھی ساتھ گیا تھا مٹی کی بات ہے۔“

”اس میں بری بات کون سی ہے۔ زہور لینے تو ساتھ مروی جاتے ہیں اس کا نہ باپ ہے نہ بڑا بھائی جو تم لوگوں کے ساتھ جاتا ویسے بھی مجھے بتا دیا تھا اس کی ماں نے اور پھر پردہ کس بات کا جب شادی ہو رہی ہے۔“ کتنے میں کرن بھی آگئی اور لملہ کھولتی ہوئی ٹھٹھے میں اپنے روم میں آ گئی۔ اس نے اپنے طور ملاں کے دل میں خرم کے لیے نفرت پیدا کرنے کی کوشش کی تھی مگر اس کام بری اور اب کمرے میں آتے ہی وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ کتنی کھلی تو جین کی تھی اس کیپنے انسان نے میری۔ کرن سے بار بار پوچھتا رہا کچھ اور چاہیے اور میں نے کچھ بھی لینے سے انکار کر دیا تھا۔ ایک بار تو مجھ سے نہیں کہا۔“ کچھ ضرور ملیں۔“ پیسے اب میری کوئی اہمیت ہی نہیں رہی اس کے دل میں پھر اس نے سوچا۔ ”ابھی شادی نہیں ہوئی اور وہ مجھے اتنا چاہا ہے۔ شادی کے بعد نہ جانے میرا کیا حشر کرے گا۔ میری سب بچہ تیزیوں کے بدلے گن گن کر لے گا اور میں جو اب اس کو کچھ کہہ بھی نہ سکوں گی۔“ افواہ میں کیا کروں؟ موت ہی آ جائے تو اچھا ہے۔“

باہر کرن ملاں بھائی کو یور کی تفصیل بتا رہی تھی۔ کیا کیا ہے اور اندر لملہ رو رہی تھی۔ کوئی مل اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ قوم کی امید تھی کہ اس کے ساتھ شادی کی صورت میں امریکہ چلی جائے گی اور خرم سے بار بار سامنا ہونے سے بچ جائے مگر اب تو وہ امید بھی ختم ہو گئی تھی۔ وہ یوں ہی رو رہی جا رہی تھی۔ بمشکل وہ خرم کے سامنے اپنے آفسو بیڈ کرتی آئی تھی کہ کچھ تک کرن ہم دھل دھل کر رو رہی ہوئی لملہ کو بھڑائی سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”ارے آئی! آپ کو کیا ہوا۔۔۔ رو کیوں رہی ہیں؟“ اور لملہ نے بے دردی سے آنکھیں میٹلے ہوئے کہا۔

”طبیعت ٹھیک نہیں لگتی۔“ اس کی بات سن کر کرن کچھ کہنا ہی چاہتی تھی کہ فون کی گھنٹی بجی۔ کرن نے فوراً اٹھایا پھر کہا۔

”ہی ہاں۔“ اور دوسری جانب سے ہونے والی گفتگو سننے لگی پھر فون بند کر کے بولی۔

”آئی! میں یہ پوچھنے آئی تھی آپ کا کھانا آپ کو کمرے میں دے جاؤں یا آپ باہر میرے ساتھ کھائیں گی؟“ گھر والے سب کھا چکے۔“

”کرن! مجھے ابھی بھوک نہیں اور میری طبیعت بھی کچھ ٹھیک نہیں۔ تم کھاؤ مجھے جب بھوک محسوس ہوگی جب کھالوں گی۔“ لملہ نے کہا تو کرن بلی گئی اور لملہ پھر لیت گئی۔ خرم کے ساتھ جب سے کرن کی مٹھی، دہنی تھی جب سے اس کو بھوک کی تم گئی تھی تو اس وجہ سے اس کا ذہن کافی کم ہو گیا تھا اور آج جو کچھ خرم نے کہا تھا اور جس طرح مکمل کر اس کی تو جین کی تھی اس کے بعد کھانا کھانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ وہ یوں ہی روتے روتے سو گئی تھی۔

صبح دھماشے میں صرف چائے کا ایک گنگ پی کر گھر سے اسکول کو نکلے تو خرم ٹریک سوٹ پہنے دھڑوں ہاتھ دیوں میں ڈالے اپنے دروازے میں کھڑا تھا۔ لملہ نے ایک نظر اسے دیکھا پھر تیزی سے آگے بڑھ گئی۔ وہ بھی اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ لملہ نے محسوس کر لیا تو سوچا۔ وہ شاید آج پھر مجھ سے کچھ کہنا چاہتا ہے مگر کیوں؟ اب جب اس کی شادی کرن سے طے ہو گئی ہے ایسے میں اب مجھ سے کچھ کہنا تو بے کاری ہے۔ شاید اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہے۔ اتنے میں خرم اس کے قریب آ کر رک گیا اور لملہ کا دل بھی جیسے تھم سا گیا۔ تاہم یہ خوش فہمی اس وقت جاتی رہی جب وہ اس کے چہرے پر ایک نظر ڈال کر دوسری سڑک کی جانب مڑ گیا جو سیدھی پارک کو جاتی تھی۔ وہ اس کے کل والے روئے سے ہی پتی ٹھٹھی کی مزید گھنٹی ہوئی اسکول کی جانب بڑھنے لگی۔ وہ جو اس کے سامنے بڑھ بڑھ کر بولا کرتی تھی اب اس کو دیکھتے ہی منہ پر نہ جانے چپ کے کیسے تالے لگ جاتے تھے۔

☆ ☆ ☆

اس ویلے پر گھر میں خوب رونے لگی تھی۔ ایک تو اس لیے کہ ٹیڈ الاٹھی کا چاند نظر آ گیا تھا۔ دوسرے خرم کرن کی شادی کی ڈیٹ ٹھٹھی کرنے خرم کے خاندان والے پہلی دفعہ ان کے گھر آ رہے تھے۔ بیٹیں، بیٹیں بیٹی کی آچکی تھیں اور لملہ کا دل اندر اندر روٹتا جا رہا تھا۔ یہاں تک بات تھی کہ بظاہر سب کے سامنے مل رول ادا کرنے کی پوری کوشش کر رہی تھی۔ وہ سب کے ساتھ ہنسنے کی نہیں تو مسکرانے کی کوشش ضرور کر رہی تھی اور کافی حد تک اپنی اس کوشش میں کامیاب بھی جا رہی تھی۔

اور پھر وہ سب لوگ آہی گئے اور ان میں سرسین بھی تھی اپنے میاں کے ساتھ۔ مردوں کے بیٹھنے کا انتظام ڈرائنگ روم میں کیا گیا تھا جب کہ بچوں کا ہل کمرے میں لملہ نے منگنی کے بعد آج پہلی بار سرسین کو دیکھا تھا۔ منگنی والے دن بھی وہ بولے کہ کر نہ بدوقت کرن اور دوسرے لوگوں کے پاس ہی ٹھٹھی تھی۔ پھر جاتے ہوئے لملہ کو کھنڈہ امانڈ کہہ کر چلی گئی تھی۔ اس کے بعد وہ ایک دو بار آئی بھی تو اس وقت جب لملہ اسکول میں ہوئی تھی۔ اسکول سے آنے پر پتا چلتا تھا کہ آج سرسین آئی تھی۔ پہلے تو اس کی اس لاپرواہی پر اس کو طعنے آگیا تھا۔ پھر وہ یہ سوچ کر مائل ہو گئی کہ ہر سمت غلطی تو اپنی ہے۔ اس نے اپنی کوشش کی تھی بھروسہ کرنے کی میری ہی مت ساری گئی تھی۔ تاہم وہ جو کبھی کبھار سرسین کو فون کر کے اس کی خبریت معلوم کرتی تھی وہ بھی کرنا چھوڑ دیا تھا اور اس وقت جب سرسین نے اس کو دیکھا تو سب کچھ بھول کر اس کی جانب لپکی اور دونوں بازو پھیلا کر پوری شدت سے بچ گئے۔ جواب لملہ چاہنے کے بعد جو گرجو گرجو کی انگلیاں نہ کر سکی اور سرسین کو آج لگا رہے کے موڈ میں تھی اس لیے گلے ملنے کے بعد محبت سے لملہ کا رخسار چوم کر کہا۔

”کیسی ہو؟“

”ٹھیک ہوں۔“ لملہ نے مسکراتے ہوئے ہائل لڈ میں کہا۔

”کتنی کمزور ہو رہی ہو۔ پتا چلی کہ میں منگنی کے بعد ایک دو بار آئی بھی تو جلدی میں تھی۔ یہ تین چھوٹے چھوٹے اھر سے لوتھڑیں ہونے دیتے اس لیے تمہیں مل کر نہ چاکی۔“ لملہ چپ رہی تو سرسین نے پھر پوچھا۔ ”خفا ہو مجھ سے لیکن کیوں؟“ لملہ پھر چپ رہی کہ آج کل اس کا بولنے کو بھی ذرا کم سی جاتا تھا۔ یہ سب دیکھ کر سرسین نے کچھ دیر سوچا پھر راز داری سے کہنے لگی۔

”اگر تم ماموں کی وجہ سے خفا ہو تو اس میں میرا کوئی قصور نہیں۔ کرن کا انتخاب ماموں نے خود کیا تھا۔ ماموں نے منگنی پھون کرتے ہوئے مطلب منگنی کی دعوت دیتے ہوئے صرف اتنا کہا تھا کہ رات کو جب گھر آنا ہو تو تمہاری کا احساس شدت سے ہوتا ہے۔ سوچا اب شادی کر ہی اوں یہ سنتے ہی میں نے بتایا ماموں آپ کتو لملہ سے شدید محبت تھی آپ نے کہا تھا کہ اپنی زندگی کی آخری سانس تک اس کی“ ہاں“ کا انتظار کروں گا۔ اب کیا وہ سب اتنی جلدی بھول گئے اور بدل گئے۔“ میری بات سن کر ماموں نے ناگواری سے کہا۔

”تمہاری کھلی عورت نہیں بیٹیں ہے۔ بیٹیں کے آگے جن، بچا، فاضول ہے۔ اس کو جب بھی پوچھو ایک ہی باتوں کرتی ہے تم سے شادی کرنے کی، بجائے میں ہر بھر تمہاری بیٹھنا پسند کروں گی۔ اب بیٹھے شوق سے کٹوری میں نے تو شادی کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ مجھے تو منگنی والے دن یہاں آ کر پتہ چلا کہ منگنی کرن سے ہو رہی ہے۔ پہلے پتہ چلا تو میں ماموں سے یہ ضرور کہتی کہ وہ کہیں بھی شادی کر لیں مگر کرن سے نہیں۔“ فوس میرے یہاں آنے سے پہلے ہی سب کچھ طے ہو چکا تھا۔ اس لیے مجھ پر خفا مت ہونا۔“

”چھوڑو اب یہ سب باتیں اور مہمانوں کے پاس بیٹھیں وہ سب کیا سوچتے ہوں گے۔“ لملہ نے کہا اور سرسین اپنا ہاتھ چھڑا کر کرن کے پاس چلی آئی اور پھر مہمانوں کے رخصت ہونے تک وہ کرن کے پاس ہی بیٹھی رہی۔ تاہم مہمانوں کے جاتے ہی وہ مردد کہہ کر اپنے روم میں چلی آئی۔ یہ پوچھنے کی رخصت کیے بغیر کہ کیا تاریخ شخص ہوئی تھی۔

صبح وہاں شیر کرنے کے بعد اٹھنے لگی تو ملاں نے کہا۔

”لملہ! آج سے تم اسکول نہیں جاؤ گی۔“

”کیوں ملاں؟“ لملہ نے سب کچھ سمجھتے ہوئے بھی انجان بن کر پوچھا۔

”کیوں کا کیا سوال۔۔۔ گھر میں شادی ہے اور شادی میں دن ہی دن کتنے رو گئے ہیں صرف سات اور ابھی تو کوں کو کار بڑی دینے ہیں اور کار بڑی بھی چھپ آنے والے ہیں شاید آج آجائیں۔“ اس میں نے کہہ دیا آج سے تم اسکول نہیں جاؤ گی۔

”مگر ملاں شادی تو عید کے بعد ہوگی۔“ لملہ نے پوچھا۔

”ہاں ہم سب کا پورا وگر امید کے بعد شادی کرنے کا تھا مگر خرم کی ضد پر شادی کی تاریخ عید سے

پہلے رکھی پڑی۔ اس لئے کہ کسی کی ایک ٹھٹھی میں ملنے والی باتیں اس کی دعا رنچ ہے جب کہ آٹھ کو مہندی اور نو کو



بارت ہے اور بتایا کہ ابھی شادی کے کارڈ بھی چھپ کر آنے والے ہیں اور ان کی تقسیم الگ مسئلہ ہے اس لیے آج سے تم اسکول نہیں جاؤ گی۔“

”اے! آپ بڑی لڑکی چھوٹی بانی کو بلائیں یا آپ! انا کھیر سی مجھ کو یہ ہے میں اسکول سے زیادہ چھٹیاں نہیں کر سکتی۔“ لکھ نے نرمی سے کہا۔

”وہ سب بھی ایک دو دن تک آج آئیں گی مگر تم آج سے اسکول نہیں جاؤ گی تمہاری کچھ میں میری بات نہیں آتی۔ ہم کارڈ وغیرہ دینے جائیں گے کرو کرن گھر میں اکیلی ہو گی۔“ اب کے لاس نے ذرا آہستہ سے کہا تو لکھ نے ہتھ پڑا ڈال دیے اور کہا۔

”ٹھیک ہے لاس میں اسکول سے چھٹیاں کر لیتی ہوں مگر آج جانا ضروری ہے۔ اسکول والوں کو بتانا ہو گا۔“ اور لاس چپ رہیں۔ لاس کی خاموشی کو رضامندی سمجھ کر وہ اسکول جانے کو گھر سے نکل آئی تو دیکھا خرم پھرڑیک سوٹ پہنے اپنے روزے میں کھڑا تھا۔ پاؤں میں جوکر زینٹی اس کاپر و گرام آج پھر پارک جانے کا تھا۔ لامہ جیسے ہی اس کے برابر پہنچی وہ بھی اس کے ساتھ چلنے لگا۔ کل وہ اس کے پیچھے رہا تھا۔ آج وہ ڈراما بھی فاسلہ رکھے بغیر اس کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ جیسے لامہ سے کچھ کہتا چاہتا ہو۔

لامہ نے سوچا یہ ایک نئی مصیبت نازل ہو گئی۔ معاش کی آواز سن کر نہ صرف چونک پر ہی بلکہ رک گئی۔

”گلتا ہے کچھ لوگ مجھے کھوکھو کر بچتے رہے ہیں۔“ خرم غصہ لگایا کہ نہ لڑ میں کہتے ہوئے اس کی مت دیکھتے بغیر پارک والے روڈ پر مڑ گیا اور لامہ کے پاس جیسے کہنے کو کچھ بھی باقی نہ بچا تھا وہ سب کچھ بھول کر تیزی اور وہاں تک ہم کھڑی اس کو کھتی رہی اور جب وہ لڑکیوں سے ٹھٹھل ہو گیا تو یہ سوچتے ہوئے اسکول کی جانب چل دی۔ ”مخلص مجھے تپانے کو مجھے جانے کو وہ عید سے پہلے شادی کر رہا ہے۔ کچھ عید پر وہ کیلا ڈھونڈ لیا تھا۔ اس عید پر کرن کو ساتھ لاکر مجھے ہڑ بھلائے گا۔ کاپر و گرام ہو گا۔ کہتا تھا تم سے چکی مہبت ہے۔ کیا مہبت اسی کو کہتے ہیں کہ کوئی انکار کر دے اس سے جیسے کافق بھی جھین لیا جائے۔ اس کو بے سکون کرنے کے لیے گھٹیا باتیں کی جائیں۔ کہہ رہا تھا ٹھیک ہے تم بھی کوٹاری رہنا تو میں بھی تمہاری ”پاں“ کے انکار میں کوٹاری بیٹھوں گا اور اب اگر صبر نہیں ہو رہا تھا شادی کرنی اتنی تھی تو باہر کہیں کر لیتا۔ لڑکیوں کی کمی تو نہیں تھی مگر اس کا مقصد تو مجھے تکلیف دینا ہے اور باہر شادی کرنے کی صورت میں یہ ممکن تھا۔“

ان ہی سوچوں میں گھومہ اسکول جا پہنچی تھی۔

لامہ نے اسکول سے چھٹیاں لے لی تھیں اور کارڈ بھی چھپ کر آگئے تھے اور یہ کارڈ دینے کہیں بھائی عابد بھائی کے ساتھ ہو کہیں لاس خود جاری تھیں۔ اب شادی میں دن ہی کہتے تھے۔ لامہ نے تو مارے سنبھلے کہ کارڈ پر نہ ہونے دیکھنے کی رحمت نہیں کی تھی۔ ساروں کرن کے پیکٹے پیر کے کو کھتی اور خور و پذیر نہ کر مشکل ہو جاتا پھر شادی کے چار دن پہلے سب ہی ہنسن بھی آتی تھی اور ساتھ ان کے بچے بھی۔ مگر میں ساروں وقت خوب شور مچانے لگا۔ جس دن سب ہنسن آتی تھیں اسی دن خرم اپنی والدہ کے ساتھ ان کا محلہ چھوڑ گیا تھا کیونکہ اسی دن سرین آتی تھی اور اس نے کھڑے کھڑے ستا یا وہ ماؤں نا نو کے ساتھ ان کے محلے گھر جاتی ہے پھر اس نے کرن سے کہا۔

میں نے تو ماؤں کو بہت کہا کہ اب یہاں سے شادی کر کے ہی جائیں گے ورنہ ہونے ہی نہیں کہتے ہیں شادی کی سب دیکھیں ان کے محلے گھر میں آؤں گی۔“ پھر جاتے ہوئے اس نے الگ کھڑی والدہ سے پوچھا۔

”مہندی لے کر تم بھی آؤ گی؟“ پھر والدہ کے جواب کا انتظار کیے بغیر بولی۔ ”اوہ میں تو بھول ہی گئی تھی کہ تم تو ماؤں کی مٹھی کی رسم میں بھی شامل نہیں ہوئی تھیں۔ خیر اب جاتی ہوں۔“ اور وہ خدا حافظ کہہ کر چلی گئی اور چچی بات تو یہ تھی کہ والدہ ابھی تک خود بھی یہ فیصلہ نہیں کر پائی تھی۔ اس کو بھی مہندی کے ساتھ جانا چاہیے یا نہیں۔ دل تو جانے کو بالکل نہیں مان تھا مگر بظاہر انکار کو کوئی جواز ہی نہیں تھا۔ چھوٹی بہن کی خوشی تھی اب لڑکیاں بات تو سب لکھیں بنا سکتی تھی۔ ویسے بھی جب وہ کرن کی شادی کی شاپنگ کر رہی تھی تو کرن نے پوچھا۔

”آئی امیری مہندی پر آپ جو سوٹ پہنیں گی وہ میں اپنی پسند سے لے دوں؟“ لکھ ہمیشہ اس کی شاپنگ کرتی تھی۔ آج پہلی بار کرن نے اتنی مہبت سے پوچھا تو وہ انکار نہ کر سکی۔ کرن نے اس کے لیے پہلے اور بزرگ کا خوب صورت کنٹر اس سوٹ لیا تھا اور بس سرین نے کہا تھا۔

”اوہ تم تو ماؤں کی مٹھی میں بھی نہیں آتی تھیں۔“ جس کا مطلب یہ بھی تھا کہ اب مہندی میں بھی نہیں آؤ گی۔ اس نے ایک دم مہندی کے ساتھ جانے کا فیصلہ کر لیا۔

اور مہندی والے دن سر شام ہی جب ہنسن اپنے بچوں کو تیار کر رہی تھیں۔ اس نے بھی سوٹ پہن لیا۔ اس کو کپڑے پر ہٹا دیکر کرن نے اس کے دونوں ہاتھوں میں پہلی اور بری چٹیاں پہنا دیں بلکہ اس کے بعد اس نے لکھ کا سیک لپ بھی خود بے حد مہبت سے کیا۔ لکھ اس کی کی بات سے بھی انکار نہ کر سکی تھی۔ بالوں میں برش بکھیر کر کرن نے یوں ہی بال کھلے چھوڑ کر بہت مہبت سے لامہ کو دیکھا اور کہا۔

”آئی! آپ بہت پیاری لکھ رہی ہیں۔“ اپنی تعریف سننا اچھا لگتا تھا جب کوئی بھی اس سے کہتا تھا وہ بہت خوب صورت بنے پیاری لکھ رہی ہے وہ چہرے سے مسکرایا کرتی تھی مگر آج وہ چھپ رہی کہ اس کا پیارا لگنا یا لگنا نہ لگتا تھا کہ جس کو دیکھنے کو ترس جاتا تھا وہ کسی اور کو دکھ کر جیتا تھا۔

پھر اس کی زندگی کی وہ ذرا اہمیت کا گھڑی بھی آتی تھی جب وہ کرن کی مہندی لے کر خوشی اور غم کے ملے جلے تاثرات لیے خرم کے خوب صورت گھر میں داخل ہوئی۔ استقبال کرنے والوں میں خرم کی والدہ کے علاوہ سرین پیش پیش تھی۔ لکھ کو دیکھتے ہی سرین کی اور کھنگلتے لگتے ہوئے کہا۔

”میں تو کبھی تم نہیں آؤ گی۔“ بولنا لامہ بڑی مشکل سے مسکرائی اور سرین کی مزید باتوں سے بچنے کے لیے باقی لوگوں کے ساتھ لاس میں چلی آئی جہاں سب مہمانوں کے بیٹھے کا انتظام کیا گیا تھا اور وہاں خرم لوگوں کے اپنے مہمان بھی بیٹھے تھے۔ لامہ فوراً سامنے والی لائن میں لگی کر یوں میں سے ایک کرسی پر بیٹھ کر پھر وہاں کا جائزہ لینے لگی۔

بہت زبردست انتظام تھا یوں تو پورا گھر ہی روشنیوں سے جگمگا رہا تھا اور جہاں مہندی کی رسم ہونے لگی وہاں بہت خوب صورت جھولانگیاں لگائی گئی تھیں۔ جھولنے کے سامنے لکھ اس پر سرخ برتنی کا ٹائین بچھایا گیا تھا۔ یہ انتظام بقیہ ڈھونڈ کے لیے تھا۔ کائین سے ذرا فاصلہ چھوڑ کر یہ کرسیاں لگائی گئی تھیں جہاں لامہ بیٹھی تھی۔ جن کو ڈھونڈ بجانے اور لگانے سے دلچسپی تھی وہ قائلین پر بیٹھ گئیں۔ باقی کرسیوں پر۔ بڑی بانی نے اس کو کرسی پر بیٹھ دیکھا تو خفا ہو کر کہا۔

”لکھ! وہاں کیا کر رہی ہو؟ یہاں آ کر بیٹھو۔“

”بانی! آپ کو اچھی طرح معلوم ہے مجھے صرف گانے سننے سے دلچسپی ہے نہ ڈھونڈ بچانا آتی ہے نہ لگانا لگا۔“ میں یہاں پر ہی ٹھیک ہوں۔“ لکھ نہ بننے کے باوجود اپنی بیزارئی نہ چھپا سکی۔

”خرم کو مہندی کی بھی تو لگانی ہے۔“ تب کے چھوٹی بانی نے کہا۔

”جب مہندی لگانی ہو گی تب آ جاؤں گی۔“ لامہ نے پھر انکار کر دیا۔ باجی کو فضا تو بہت آیا مگر وہ سب لوگوں کا خیال کر کے چپ رہی اور پھر دونوں طرف سے گانے جانے کا مقابلہ شروع ہو گیا۔

لامہ بیٹھی دیکھتی رہی۔ اس نے نالی بھائی بھی پسند نہیں کی تھی اور جب یہ پروگرام ختم ہو گیا تو سب مہمانوں کو کوکڑاڑ رک جیٹ کی گئی اور جیسے ہی لوگ پینے سے مہمان فارغ ہوئے تو خرم بھی آ گیا۔

ریٹھ ٹکرے کھارو پینے کی چھاؤں میں مسکراتا ہوا جس کو خرم کی کزنوں اور سرین نے تمام رکھا تھا۔ خرم کے چہرے کی خوشی اور دل کی خوشی سنائی نہیں جاتی تھی۔ بلوچیز پر اسے سرخ رنگ کی پٹیاں زوئیائی شرت پہن کر رکھی تھی۔ پاؤں میں جوکر کی جگہ گھر میں پہنے والے جگے چل۔ شیوہ بھی ہوئی اور سر کے بال بے ترتیب سے۔ وہ اس ٹیبلے میں بھی خوب صورت لگ رہا تھا۔ وہ جھولنے میں بیٹھ گیا تو سرین نے وہی دوپٹہ اس کے گلے میں ڈال دیا۔

جھولے میں بیٹھتے ہی خرم کی نظر سامنے بیٹھی لامہ پر پڑی۔ پہلے وہ چونکا جیسے لکھ کے آنے کی امید نہیں تھی پھر مسکرائے لگا۔ یہ دیکھ کر لامہ نے نکلیں جھکائیں پھر یز یا باجی کی آواز سن کر پھر ہاتھ کر دیکھا تو خرم سے کہہ رہی تھیں۔

”مووی دن رہی ہے کم از کم ہاں میں برٹھو کیا ہوتا۔“

”آپ سب نے ل کر ابھی جویر سے خوب صورت بالوں کا حشر کیا ہے اس کے بعد بالوں میں برش کرنا نہ کر رہا تھا۔“ خرم نے وضاحت کی جب ہی لامہ بھائی کی آواز اپنے قریب سن کر چونک پڑی۔

”اب انھوں یہاں سے خرم کو مہندی کی نہیں لگاؤ گی۔“ انہوں نے لکھ کا ہاتھ تھام لیا۔ وہ کہنا ہی تھی آپ سب جو ہیں مہندی لگانے کو۔ آپ کا لیل مگر کہنے کے باوجود کہہ نہ سکی کہ یہ کیسا مناسب بات تھی۔ خرم کی جگہ اگر کوئی اور ہوتا تو وہاں تیس اور شرتیں کرنے میں پیش پیش ہوتی۔ اکیسے موقع ہی ایسا تھا پھر سالی، بہنوئی کا رشتہ بھی کچھ ایسا ہی ہوتا ہے۔ وہ بھائی اور بہنوں کے ساتھ خرم کے قریب آئی تو آپا اسماء نے بھائی سے اور بہنوں سے پوچھا۔

”مہندی کیوں لگانے لگا؟“ کسی کے بھی کچھ بولنے سے پہلے بھائی کے ساتھ کھڑی لامہ کو دیکھتے ہوئے خرم نے کہا۔

”کوئی بھی لگا سکتا ہے سوائے ان کے۔ یہ شاید میرے ہاتھ پر مہندی لگانا پسند نہ کریں۔“

”خرم بیٹا! یہ کیسی بات کہی تم نے؟ لکھ بھلا انہیں مہندی کیوں نہیں لگائے گی۔ کرن اس کی چھوٹی بہن ہے۔“ بڑی باجی فوراً اس کی حمایت میں بولیں تو خرم نے لکھ کی جانب ہٹکی سے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

”بے شک! ابھی پوچھ کر دیکھ لیں۔ کچھ لوگوں کو بغیر کسی وجہ کے بھی دشمنی پالنے کا شوق ہوتا ہے۔ میرا تو آپ کو بتا ہے میں کتنا معصوم سا بندہ ہوں۔“ اس کی بات سن کر لکھ نے دل میں سوچا۔

”کچھ بد معاش ہو یہ صرف میں جانتی ہوں۔ اگر تم مجھ سے کہو کہ تمہاری خوشی سے میں جل رہی ہوں تو یہ ج ہے مگر اب تمہیں تپانے کو ایسا کچھ نہیں مجھے آج بھی تمہاری پروا نہیں۔ مہندی میں ہی لگاؤں گی۔“ جلدی سے پلٹے سے مہندی لے کر کائین پر خرم کے سامنے بیٹھے ہوئے تنہما نہ لڑ میں بولی۔

”ہاتھ لاہر لائیں۔“ خرم نے جیسے سنائی نہیں ہو رہی تھی۔

”خرم تمہاری بات کا جواب لکھ نے خود ہی دیا تھا۔“





زیادہ خوب صورت اور میں لہجہ سے چھوٹی لڑکی لگتی تھی۔ سب اس کی بار بار تھی اور آج وہ لہجہ لکھی اپنی شادی پسند سے کرنے کی اجازت دے دے ہاتھ۔ لہجہ نے سوچا۔  
 ”ابو ذلیل انسان تم وہی تو ہو جس کو مجھ سے دشمنی تھی۔ مجھے تو تم سے محبت تھی ہی نہیں مگر تمہاری محبت کو کیا ہو؟“ صرف پانچ ماہ میں ہی ختم ہو گئی اور تم نے مجھے چھوڑ کر کسی اور سے شادی کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ کیا محبت اس کو ہی کہتے ہیں؟ تم کہتے ہو تمہیں رات کو تنہائی شدت سے محسوس ہوتی ہے تو جو پانچ سال میں نے تمہا گزرا ہے مجھے تنہائی محسوس نہیں ہوتی تھی۔“ دل بچھوٹ بچھوٹ کر رونے کو چاہ رہا تھا مگر خوشی کے اس موقع پر رونے کا کوئی جواز نہیں تھا۔ وہ جاہر آئی تو سب گازیوں میں بیٹھ رہے تھے۔ اس کو دیکھتے ہی آپ نے کہا۔

”تم کہاں رہ گئیں۔ چلو اب آگے رہ جان کے ساتھ فرٹ میٹ پر بیٹھ جاؤ۔“ اور وہ چپ چاپ دروازہ کھول کر فرٹ میٹ پر رہ جان کے ساتھ بیٹھ گئی۔ رہ جان سرین کا سب سے چھوٹا بھائی تھا۔ لہجہ کے پیچھے پر اس نے ایک نظر لہجہ کو دیکھا پھر بڑے لب سے پوچھا۔

”آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا آپ کی؟“

”ٹھیک ہوں تم گاڑی چلاؤ۔“ لہجہ نے کہا کہ چہرہ ہلار کی جانب موڑ لیا۔ ضبط کے باوجود آنکھوں میں ہلکی سی آنسو تھی۔ راستے میں کچھلی سیٹوں پر بیٹھی آپ بھائی باجی کرن کی خوش قسمتی کی باتیں کرتی ہیں کہ کیا لڑکا ہے۔ ساری زندگی عیش کر گئی۔ وہ خاموشی سے سختی رہی اور گھر آتے ہی وہ سیدھی تیر کی طرح گاڑی سے نکل کر اپنے کمرے میں آئی اور دروازہ کھول کر داخل خون کتا سرور رہا تھا۔ کیسے کیسے دل بھلا یا تھا اس کیسے نے۔ بجائے عداوت کے وہ کل کے اسے چھوڑ کر اپنی خوشی کا اظہار کر رہا تھا اور ب لہجہ کے لیے یہ سب ناقابل برداشت ہوتا جا رہا تھا۔ اس نے سوچا وہ مرد کا بھائی تھا کہ اب اپنے روم میں رہے گی۔ جب ہی دروازہ پر دستک ہوئی ساتھ ہی آپ کی آواز آئی۔

”ارے دروازہ کیوں بند کر لیا کھلو؟“ لہجہ نے جلدی سے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا کہ آپ اس کے روم میں سوئی تھی۔ دروازہ کھلتے ہی آپ اندر آئی اور لہجہ کو گھورتے ہوئے پوچھا۔ ”کیا بات ہے۔۔۔ معلوم ہے میرا سارا سامان ابھر ہی ہے؟“ سرور کی لگندہ سی مثال لینی تھی۔ ”پھر وہ بیک کھول کر شال نکالنے لگی تو لہجہ نے کہا۔

”آپ میرے سر میں درد ہے آرام کرنا چاہتی ہوں۔“

”آرام کیا؟“ وہ لوگ ہندی لے کر آنے والے ہیں چلو براؤ۔“ آپ نے شال بولتے ہوئے کہا۔

”ابھی پھوڑا سارا آرام کر لوں۔ جب وہ آئیں گئے آجیابوں کی۔“ لہجہ نے کہا تو آپا بھائی گئیں اور لہجہ اپنے بستر پر بیٹھ گئی۔ وہ اس سسٹے کا کل سوچنا چاہتی تھی۔ خرم کو اس کی تو جین آجی باتوں سے بچنے کا کل مگر کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ کتنی کھلی تو جین کی سب کے سامنے یہ سب شادی سے پہلے کی بات ہے۔ شادی کے بعد جب وہ آزادانہ یہاں آیا جلا کر کھانا کھانے لگا کیا کہنے کا دماغ ہونے کی وجہ سے میں کچھ کہہ بھی نہ سکوں گی ٹھیک ہے میں خود کوئی کر لوں گی بلکہ ابھی کرتی ہوں پھر دیکھتی ہوں شادی کیسے ہوتی ہے۔ وہ خود کوئی کا پٹان بنا رہی تھی کہ سرین کی آواز آئی۔

”ارے تم یہاں کمرے میں بند ہو کر بیٹھی ہو۔ وہ لوگ باہر مہندی لے کر آ رہے ہیں۔“ سرین نے اس کے قریب آتے ہوئے کہا۔

”آ رہے ہیں تو میں کیا کر لوں۔“ لہجہ پہلے ہی احساس تو جین کے طے میں بھری بیٹھی تھی۔ اب خرم کا خدے سرین پر اتارنے کا موقع مل گیا۔ یہ اس کو سرین کی بے رحمی کا بھی خدے تھا جو وہ دل میں دے بیٹھی تھی۔ سرین جس نے خرم کی مٹکائی کرن سے ہوتے ہی اس کا نظر انداز کرنا شروع کر دیا تھا۔ بے شک کرن سے رشتے داری ہو گئی تھی مگر دوق کی اپنی اہمیت ہوتی ہے۔ آج وہ کل کر سرین کو بھی سنانا چاہتی تھی۔

”ارے۔۔۔ ارے کیا کہہ دیا ماموں نے جو مجھے میں بھری بیٹھی ہو؟“ سرین کے پوچھنے کی وجہ تھی۔ لہجہ پھٹ پڑی۔

”تمہارے ماموں کی انصاف کو اس کرنے کی عزت نہیں جاتی تو سنتم بھی اپنے کیسے ماموں جیسی پوری کیسے ہو۔“

”میں نے کیا کیکنگی کی تم سے؟“ سرین نے اس کو گھورتے ہوئے پوچھا۔

”یہ کیکنگی نہیں کہ خرم کی مٹکائی کرن سے ہوتے ہی تم نے بھی آنکھیں بدل لیں۔“ مٹکائی والے دن بھی تم سار وقت کرن کے پاس بیٹھی رہی۔ بعد میں بھی اگر کبھی آپنی آواز آتی تو وہ مجھ سے ملنے کی توقع نہیں ہوتی۔ کرن سے بے شک تمہاری رشتے داری ہو گئی ہے پر میں بھی تو دوست تھی۔“ سرین اس کی باتیں سن کر خاموش رہی تو لہجہ نے پوچھا۔

”تم میرے خرم کے بارے میں سب کچھ جانتی ہو۔ پہلے مجھے آج ذرا یہ بتاؤ وہ ملک سے باہر کس کے لیے گیا تھا؟“

”تمہارے لیے۔“ سرین نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے کہا۔

”اور اب شادی کس سے کر رہا ہے؟“

”کرن سے۔۔۔“

”کیا کیکنگی نہیں؟“

”وہ تو اس لیے ماموں کرن سے شادی کر رہے ہیں کہ تم نے جو ماموں کے ساتھ شادی کرنے سے انکار کر دیا تھا۔“ سرین نے کوئی وضاحت کی۔

”انکار کی بات۔“ لہجہ اس کی بات کاٹ کر چلائی۔

”اب مجھ سے سنو۔ وہ جتنا ہی بد معاش۔ واپس آتے ہی جب کرن کو دیکھا تو مجھے بھول کر اس نے کرن پر آنکھ رکھی۔ وہ جب بھی ہمارے گھر آتا تھا۔ سب سے زیادہ باتیں کرن ہی سے کرتا تھا۔ اس کے لیے روزیو ٹیم لے کر آتا تھا۔ گجرات تو یہ ہے واپس آنے کے بعد اس کا وہ یہ میرے ساتھ پہلے جیسا تھا ہی نہیں۔ اس نے صرف دیکھ کر مجھ سے پوچھا کیونکہ دل تو اب کرن پر آ گیا تھا۔ وہ مجھ سے زیادہ خوب صورت اور کم عمر تھی۔“

”کیوں بے چارے ماموں پر اصرار رکھتی ہو۔ انہوں نے ایک بار نہیں کی بات تم سے پوچھا تو تم کتنی ہوری طور پر پوچھا۔ ارے میں بھی تو اُنی تھی تمہارے پاس۔ تم نے میری ایک نہ مانی۔۔۔ غلطی تمہاری اپنی ہے اور اصرار ماموں پر رکھتی ہو۔“ سرین نے بھی کچھ خفا ہو کر کہا۔

”ہاں ہاں کئی بار جو چاہا مگر پہلے والے انداز میں نہیں۔ تمہیں معلوم ہے نا وہ مجھے جھوٹے بغیر بات نہیں کرتا تھا۔“ لہجہ بات کرتے کرتے چپ ہو گئی۔ جیسے کوئی لالچ بات منہ سے نکل گئی ہو مگر سرین اس کا مطلب اچھی طرح سمجھ گئی تھی۔

”ارے ماموں نے واپس آ کر تمہیں بھلا نہیں۔۔۔ کھانے میں اچھے ماموں؟“ سرین نے عجیبی سے پوچھا۔

”نہیں۔“ لہجہ کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا اور سرین نے اسی عجیبی سے کہا۔

”یہ تو ماموں نے بہت لالچ کیا ہے۔ میں پوچھوں گی ماموں سے انہوں نے لیا کیوں کیا۔ پانچ برس کی بدلتی کے بعد تو پوری گرم جوشی سے گلے کا حق فرماتا تھا۔“ اب لہجہ اس کی شرارت سمجھ گئی۔

”گلے لٹنے کی بات میرا یہ مطلب نہیں تھا میں تو۔۔۔ میں تو یہ کہنا چاہتی ہوں۔ کرن کو دیکھتے ہی وہ بول گیا۔ یہ بے غیرتی نہیں محبت بڑی بہن سے۔ اور شادی چھوٹی بہن سے۔ وہ ذلیل جو بار بار مجھے ایک ہی بات کا یقین دلاتا تھا کہ اس کو مجھ سے جی محبت ہے اپنی اس محبت کی وجہ سے میری مٹکائی ختم کروا کر مجھے رسوا کیا۔“ جسکی دس کر شادی کرنے سے روک رکھا۔ میری زندگی کے خوب صورت سال ضائع کر دیے۔ سوچو جو رشتہ مجھے تیس سال میں مل سکتا تھا وہ اب ملے گا؟ بالکل نہیں۔ مجھے پانچ برس انتظار کرنا پڑا اور خود پانچ ماہ بھی انتظار کرنا پڑا۔ کیا اس نے نہیں کہا تھا۔ اصرار کو تیری بیٹھتی تو ادھر میں کورا بیٹھوں گا۔ تمہاری ”ہاں“ کے انتظار میں اب اب ساری زندگی تو کیا پانچ ماہ میں ہی اتنا بیٹھ کر تھا گیا اور شادی کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس پر ختم یہ کہ مٹکائی کے بعد جب بھی مجھ سے سامنا ہوتا ہے مجھے تپانے کو ملتا ہے تو کو فوضل نکواس کرنے لگ جاتا ہے ذلیل کیسہ۔“

لہجہ کا دل خرم کے روئے اور باتوں سے بھر ا ہوا تھا۔ ضبط نہ کر کے اور رو پڑی۔ سرین جو بڑی تو جیسے اس کی باتیں سن رہی تھی۔ بول پڑی۔

”یہ محبت والی بات میں نے خود ماموں سے کہی تھی اور پوچھا تھا کہ آپ کتھ لہجہ سے جی محبت تھی۔ اب کرن سے شادی؟ لہجہ سے بے وفائی نہیں؟ میری بات سن کر ماموں نے کہا تھا کہ محبت مجھے لہجہ سے تھی۔ اس کتھ مجھ سے محبت کی بجائے شدید نفرت ہے۔ جب مجھ کو لہجہ سے محبت ہے اس کو نہیں تو پھر وفا کروں یا جھکا لہجہ کو کیفری پڑتا ہے اور یہ بات ان کی چٹنی تھی اس لیے میں نے کچھ نہ کہا۔ باقی رہی ان کی تمہارے ساتھ تو اسے پیٹنے کی بات تو بے وقوف کبھی مدھی کو تارے بیٹھے ہیں۔ وہ عورت کے بغیر نہیں رہ سکتے اور تم۔“ سرین نے رک رک بہت غور سے لہجہ کو دیکھا اور پوچھا۔ ”اب کس قسم کو ماموں سے محبت تو نہیں ہو گئی جو رہی رہی؟“

”محبت کی بات؟“ سرین کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی لہجہ نے مارے طے سے مٹکا اس کے پیٹ پر مانا جا پاجا جس کی ساری باتیں سن کر بھی ماموں کی حمایت میں بولنے سے باز نہیں رہی تھی۔

”ارے۔۔۔ ارے کیا کرتی ہو؟ مارنے کا ارادہ ہے کیا میرے بچے کو؟“ سرین نے پیچھے ہٹتے ہوئے کہا تو لہجہ نے حسرت بھری ایک آنکھ سرین پر ڈالی پھر کہا۔

”اب تم خود سوچو۔ تم چھ سال میں یہ چھتا بچہ پیدا کر رہی ہو۔۔۔ اور مجھے اس کیسے نے شادی نہ کرنے دی۔ اگر میری کٹلی وہ تو میرا یقین کر دیتا تھا ہی پکا بد معاش۔ وطن واپسی پر کرن کو دیکھا تو میں بھول گئی۔ تمہارے بچے کو پانچ بھائی ہیں۔ کتنے شریف ہیں سارے۔ کبھی آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا مجھے اور یہ پہلی بار سامنا ہونے پر ہی کتنی بے باکی سے مجھے گلے لگا لیا۔ اظہار محبت کا موقع تو بہت بعد میں آتا ہے۔“

”میرے چار بھائی شریف تھے پانچویں نہیں۔“ لہجہ کے خاموش ہوتے ہی سرین نے کو پاتا ہ ضروری سمجھا۔

”کیا مطلب تمہاری اس بات کا۔۔۔؟“ لہجہ نے حیرت سے پوچھا۔

”ماموں کی طرح اس کو بھی مٹکائی کسی لڑکی سے محبت ہو گئی ہے اور اس نے ہم سب کو دیکھی دی ہے اگر ہم نے اس کی شادی نہ کی تو وہ نہ صرف ہمارا گھر چھوڑ دے گا بلکہ یہ شہر یہ ملک بھی چھوڑ جائے گا۔ اس کی دوسری سے ڈر کر ہم نے اس کی شادی اسی لڑکی سے کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔“ سرین خاموش ہوئی تو لہجہ نے پوچھا۔

”مگر لڑکی ہے کون؟“ تو سرین کے جواب دینے سے پہلے ہی دروازہ کھلا اور کرن نے اندر داخل ہوتے ہوئے کہا۔

”آپا سرین! آپ آئی کو لینے آئیں تمہیں ماں خود دیکھی یہاں بیٹھ گئیں۔ باہر سب ملن کا انتظار کر رہے ہیں۔“ مگر سرین نے جیسے سنا ہی نہیں وہ تو لہجہ کو بتا رہی تھی۔

”جی اپنی کرن لور کو لیں ہے۔“

”مگر کرن کی شادی خرم سے ہو رہی ہے؟“ یہ کہتے ہوئے لالہ خود بھی چونک پڑی۔

کرن کا قید خانہ لہنگے میں نکل گیا۔ آپ کیس کے سامنے کھڑی تھی جب کہ دوسری طرف سرین کھڑی بیٹے ہوئے کہہ رہی تھی۔

”میں تمہیں اتنا ہیہ یقین نہیں دے سکتی تھی۔ ساری کہانی ختم ہو گئی اور تمہیں ابھی بھی پیشین چاہ۔ جناب ماموں سے کرن کی نہیں تمہاری شادی ہو رہی ہے۔ میں نے تمہیں بتایا تو تھا کہ ماموں بہت خمدی ہیں جو کہتے ہیں وہی کرتے بھی ہیں۔ انہوں نے مجھ سے کہا تھا اب میں لالہ کو تمہاری مای ہا کر ہی چھوڑوں گا اور انہوں نے تمہیں میری مای ہا ہی دیا۔ اب آئی ساری بات سمجھ میں۔“

”خرم۔۔۔ میری شادی ہو رہی ہے؟“ لالہ نے بے یقینی سے پہلے سرین اور پھر کرن کو دیکھا تو کرن نے قریب ہو کر بیار سے اس کے گلے میں انہیں ڈالتے ہوئے کہا۔

”ہاں آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے خرم بھائی سے میری نہیں آپ کی شادی ہو رہی ہے۔ وہ آپ سے بھی محبت کرتے تھے۔ اس لیے آپ کی نفرت اور انکار کے باوجود بہت نہیں ہادی اور آپ کو پانے کے لیے مسلسل کوشش کرتے رہے اور کامیاب بھی رہے۔ وہ آپ کو پانے میں کیسے کامیاب ہوئے یہ ہمیں بتانے سے انہوں نے منع کر دیا ہے۔ وہ خود ہی آپ کو بتائیں گے کہ آپ کو حاصل کرنے کے لیے کیا کیا۔“

”کیا۔۔۔؟“ کرن و سرین کی بات میں کرن لالہ کی سمجھ میں نہ آیا۔ اب کہنے کیا کرے۔۔۔ کیسا انوکھا احساس تھا۔ تین ماہ سے وہ جس آگ میں جل رہی تھی وہ جل جل کر دوزخ بنی ہوئی تھی وہاں ایک ٹکڑا کر بن گئی تھی۔ وہ لالہ کے پر سکون ہوتی جاری تھی۔ وہ جس کو کھوئے کا دکھ اس کی زندگی کو عذاب بنائے ہوئے تھا وہ تو صدمہ اس کا تھا۔ جس سے وہی بے خبر تھی۔

وہ کسی اور سلفہ نہیں سرین سے پوچھتا چاہتی تھی اس نے کیوں یہ سب اس سے چھپایا؟ کیوں اس کو بڑھاتا دیکھتی رہی؟ وہ تو اس کی ہکی تکلیفی تھی مگر سرین اس کو کچھ بھی پوچھنے کا موقع دے بغیر بولی۔

”باہر سے چارے لائیں وہ صوبک پیٹ پیٹ کر ٹھک چکی ہیں۔ اب انھوں کو باہر چلو۔“ پھر خودی چونکتے ہوئے بولی۔ ”مہرے نہیں کرن! تم پہلے دو پانے تو لالہ کے سر سے آنے والا لاؤ۔“ جب کرن چلی گئی تو سرین نے لالہ سے کہا۔

”یہ سب کیسے ہوا ماموں خودی نہیں بتائیں گے۔ میں صرف اتنا کہنا چاہتی ہوں۔ منگنی کے بعد میں تمہیں اس لیے نہ ملی کہ ماموں نے منع کیا تھا۔ تمہاری تکلیفی لالہ سے ٹوٹ رہی ہے مگر ابھی اپنی لاکھ کاٹ رہے۔ وہ تمہارے سامنے روٹی تو تم اسے سب کچھ بتا دو گی اور میرا اسارا منسوب و چوہہ دیا جائے گا۔ بہت پرلایا ہے مجھے اب خود بھی میری محبت میں تڑپے اور پورے کچھ محبت میں تڑپ گئی ہوتی ہے اور دوسری بات ابھی جب ماموں نے اور اپنے گھر میں تمہارے ہاتھ سے کھانے والی پلیٹ پکڑ کر خود کھا ماموں نے عرصہ کا قہر تمہارے جانے کے بعد میں نے ماموں کو ان کا وہ پہلے ہی پریشان ہے اور آپ مزید اذیت دے رہے ہیں۔ یہ سن کر ماموں نے کہا۔ بھائی! ابھی اس کو ایک دو کھٹے تک پہنچ جائے گا کہ اس کی شادی مجھ سے ہو رہی ہے۔ یہی آخری لمحے ہیں اس کو تانے اور تنگ کرنے کے۔ لالہ سے ہار چکی ہے مگر ہمارے گی نہیں۔ تم فکر نہ کرو لالہ کی شادی کے بعد اپنی ہر زندگی کا کفارہ اپنی ڈیروں میں محبت کو بیار سے لا کر تاروں میں لگا۔ سرین کی بات ختم ہوتے ہی کرن کے ساتھ بھائی اور پانے لالہ آگئی۔ وہ تینوں خمدی تھیں کہ وہ سب اس گیم میں شامل تھیں جو خرم نے اس کے ساتھ کھیلی تھی اور جیت بھی گیا تھا۔۔۔

وہ چاروں اس کو دھونے کی چھاؤں میں باہر لائیں اور باہر بھی ابھی کچھ ٹوٹا ایسے تھے جن کو ابھی ابھی پتہ تھا کہ لالہ کی کرن نہیں لالہ ہے۔ اصل میں وہ سب بھی ہنس رہے تھے۔ لالہ کے ہاتھوں پر ہندی خرم کی والدہ نے رکھی تھی پھر پہلی وار محبت سے لالہ کی پیشانی پر دم کر بولیں۔

”خمدی بہت ہے جو خمد کرنا ہے اس کو پوری کر کے رہتا ہے۔ چلا کی بیٹی سے شادی سے انکار کیا تو بیٹی کو اس کے بیٹوں نے کہا ہم نے کھلا کر جو ان کیا اور یہ بدادلی ہمارے احسان کا؟ جب خرم نے ان کو اپنے حصے کی دو ایک زین ان کو چھوڑ دی اور مجھے لے کر لا اور آگیا اور کہا اب کبھی کوئی ان کو نہیں جاؤں گا اور کبھی گیا بھی نہیں۔“ اتنے کہہ کر وہ اٹھ گئی تو سرین نے کان کے قریب سر رکھی کہ۔

”ماں! جی! شادی مبارک ہو۔“ یہ سن کر اپنے آپ ایک بیاری کی مسکان اور نوٹوں پر دو آئی سرین نے یہ دیکھا تو کہہ۔ ”تم نے ابھی لالہ کے سر سے میں ماموں کو جو کچھ بھی کہا ایک ایک لفظ ابھی جا کر ماموں کو بتاؤں گی۔“ جو اب اتنے سارے لوگوں کی موجودگی میں لالہ صرف اس کو دیکھ کر وہ گئی حالانکہ وہ اس کو منع کرنا چاہتی تھی۔ ”دیکھو! لالہ! ایسا نہ کرنا وہ کیا وہ جس گھر سے بارے میں؟“ وہ کہہ نہ سکی اور جب سب لوگ چلے گئے تو ماں اس کے قریب آئیں اور انہوں نے بڑے سٹار سے کہا۔

”ارے پانچوں انگلیاں برابری نہیں ہوتیں۔ میرے دلاوے ثابت کر دیا کہ سچی محبت کرنے والے آج بھی زندہ ہیں۔“ وہ کہیں اور ایک ٹکڑا لالہ کو دیکھا پھر کہا۔ ”مگر یہ بات لالہ کی درست ہے۔ ارے بے پیکار معاش کیسے میری معصوم بیٹی کو ذرا دھڑکا کر شادی سے باز رکھا۔ لالہ تم نے مجھے کیوں نہ بتایا؟“ ماں نے لالہ کو سینے سے لگا لیا۔

”آپ اس کو شریف جو کچھ بھی کہیں۔“ لالہ نے آہستہ سے کہا۔

”مجھ سے کیا مطلب ہے تمہارا؟“ ماں نے اس کا چہرہ دھڑک کر دیا۔ ”مہرے میرا لالہ ہے ہی شریف۔ تمہاری نفرت اور انکار کے باوجود تم سے محبت کرنا رہا تمہارے لیے دن رات کافر کو بھول کر اتنی محبت کی کہ آج ایک معمولی موٹر سیکل کی بجائے ایک بڑی بس میں بن چکا ہے۔“ لالہ ان کے سینے میں منہ چھپا کر چپ رہی اور ماں نے کہا۔ ”میں نے ابھی خودی خرم کو کھر خریدنے سے منع کر دیا ہے۔ یہی ٹھیک ٹھاک کا رعبا رہے لاکھوں روپے کا لالہ جانے تو اس پر اثر پڑ جاتا ہے۔ خرم نے تو ابھی نیانیا کا مشورہ کیا ہے۔ اس پر شادی کا انگڑا چہ میں نے تو کہا تھا ابھی کرانے پر گھر لے لو کہ وہ لالہ کو دھو گئے کے کرانے دار سے نفرت تھی اور میرا اس سے وعدہ تھا اس کو بیاہ کر اپنے گھر لے جاؤں گا۔ میں نے بہت سمجھایا۔ عابد نے بھی حب بھی کرانے کے بجائے اس نے کہا وہ کان قسطوں پر لے گا کہ کرانے پر نہیں۔ مگر جرم دیکھ کر انی ہوا اس نے تین سال کے لیے قسطوں پر لیا ہے۔ اس معاملے پر خرم سے غفامت ہوا۔“ لالہ چپ رہی تو کرن نے ہاتھ پکڑ کر کہا۔

”اب انہیں یہاں سے ابھی مجھے آپ کو ہندی بھی لگانی ہے۔“ پھر وہ لالہ کو لیے اس کے روم میں آئی اور ہندی لگا تے ہوئے کرن نے بتایا۔

”آئی! اس دن جیوری کی شاپنگ کے لیے آپ بھائی جان کے ساتھ گئی تھیں۔ وہاں پر جب آپ سب سے پہلے دروازہ کھول کر باہر نکلیں تو آپ کے جاتے ہی بھائی جان نے ہنس کر کہا تھا کرن دیکھ لینا اب تمہاری آئی اپنے کمرے میں جا کر پھوٹ پھوٹ کر روئیں گی۔ یہ سن کر میں نے کہا۔“ جی نہیں۔ اب لالہ بھی کوئی بات نہیں۔“ تب وہ بولے مجھ سے شرط لگا لو۔ اچھا ایسا کروا چکا منٹ بعد تم اپنی آئی کے کمرے میں جانا اور میری بات کی تصدیق ہو جائے گی۔ میں خودی پانچ منٹ بعد تمہیں فون کر کے معلوم کر لوں گا اور پانچ منٹ بعد جب میں آپ کے کمرے میں آئی تو آپ کچھ رو رہی تھیں تب بھائی جان کا فون بھی آگیا۔ بھائی جان نے پوچھا۔ میں نے ٹھیک کہا تھا اور میں نے جی ہاں“ کہہ کر فون بند کر دیا۔“ لالہ کو یہ سب سن کر بے حد شرمندگی ہو رہی تھی جب کہ کرن کہہ رہی تھی۔

”آئی! بھائی جان! لیے لیے فون صرف آپ کو پانے کے لیے مجھے کرتے تھے اور ان کو یہ بھی معلوم تھا جب وہ آتے ہیں آپ اپنے کمرے کی کھڑکی کھول کر انہیں دیکھتی ہیں اور عید پر جب آپ نے فون اٹھایا تھا تو بھائی جان نے جان بوجھ کر آپ کو تانے کے لیے میرا نام لیا تھا اور ہاں آپ کو بتا دوں گئی کہ وہ فون سوٹ میں نے اپنے ہنڈ سے لیے تھے۔ البتہ پیسے بھائی جان نے دیے تھے اور میری پڑائیں کا تو آپ کو یہ پتہ ہے۔ ابھی ہوتی تو آپ میری شاپنگ بیٹھ کیوں کرتیں۔“ اٹھو تو آپ کو یہ پتہ چل گیا ہو گا وہ کیوں نہیں لائے۔ بھائی جان کہتے تھے مذاق میں بھی لالہ کے کام کی اٹھو کسی کو کو نہیں پہنا سکتا۔ اس کی اٹھو میں خود اپنے ہاتھوں سے اس کی اٹھو میں ڈالوں گا۔ ہاں تو جب وہ آپ کو پانے کے لیے مجھے لیے لیے فون کرتے تھے کہ ایک دن میں نے انہیں ٹوک دیا کہ محبت بھی کرتے ہیں اور بڑا بھی رہے ہیں۔ حالت دیکھی ہے آپ نے آئی کی؟ اس پر بھائی جان نے مجھے بتایا کہ نہیں لیکن کا اتنا خیال پتہ بھائی کی بھی سنو۔ پتہ صرف تین ماہ کی بات ہے تمہاری آئی نے مجھے کئی سال تکلیف دی ہے بڑا پرلایا ہے۔ تمہاری آئی سے محبت کرنے کا جو تم میں کر بیٹھا یہ میرے اختیار کی بات نہیں تھی۔ تمہاری آئی نے جرم محبت کی جو سرزادی وہاں کا کل رہا تو شرمندگی تھی۔ میں ایک خوب صورت نو جوان تھا۔ ان پر نہ نہیں تھا۔ میٹرک میں اچھے نمبر لے کر کامیاب ہوا تھا۔ میرا محب صرف میری غربت تھی۔ تمہاری آئی میری ہر چیز کو کھانا نہاتی۔ میرا ہاسٹل میرے جوئے میری کھانا پر بندھی معمولی گھڑی میرے سر کے بالوں میں ڈالا جانے والا تھیل۔ ماں نے بچپن سے سر میں تیل ڈالنے کی عادت پکی کر دی تھی۔ تمہاری آئی ہر ہر ملاقات میں میرا ہونٹ لیا کہ میرا فون لائی جاؤں گا۔ اس کا ہر جملہ تو میں آمیز ہوتا تھا۔ اس کی ہانکوں میں میرے لیے خمارت ہی خمارت ہوتی تھی۔ وہ اکثر مجھے فقیر کہہ کر میرا ہونٹ لے دیتی تھی مگر میں پھر بھی برداشت کرتا تھا۔ جانتی ہو کہ ان کیوں کہ مجھے لالہ سے سچی محبت ہو چکی تھی۔ وہ مجھے ابھی لگتی تھی۔ سچی بات تو یہ ہے وہ مجھے ہر ہر روپے میں بیاری لگتی تھی۔ میرے ٹھکانے پر وہ چلتی تھی اور میں ہر ہر ملاقات میں اس کو ٹھکانے پر دھکا دیتا تھا۔ کبھی کبھی تو بھائی کی آئی کا پہلا جملہ یہی ہوتا تھا کہ مجھے ہاں نہیں اور وہ جو میرے ساتھ اختیار کر چکی تھی اس کا بدلہ میں اس کو کھجور کر لیا کہ تھا کہ میرے ٹھکانے پر وہ آگ بگول ہو جاتی تھی۔“ کرن نے بات ختم کر کے لالہ کو دیکھا جو بہت غور سے اس کی باتیں سن رہی تھیں پھر کہا۔

”آئی! کتنی تین کرتی تھیں آپ۔ بھائی جان سے کتنی نفرت تھی آپ کو۔ اس کے باوجود وہ آپ سے بے حد بے پناہ محبت کرتے ہیں۔ ابھی سب یہی کہہ رہے تھے کہ شادی عید کے بعد ہو گی مگر انہوں نے کسی کی ایک نہیں مانی۔ کہنے لگے۔ چھوٹی عید پر میری منگنی کا سوچ سوچ کر بخار ہو گیا تھا اب بڑی عید پر کچھ نہ ہو جائے اس لیے شادی عید سے پہلے ہو گی۔ وہی بہت ہے جواب تک ان تین ماہ میں اس کے ساتھ ہو چکا اور پتہ ہے آئی جیوری کی خریداری سے وہاں پر بھائی جان نے مجھ سے کہا تھا۔ کرن تمہاری آئی کا فون کافی کم ہو چکا ہے۔ اس کی خوراک کا خیال رکھا کرو۔“ لالہ کرن سے خرم کی باتیں سن کر لالہ کے پر سکون ہوتی جاری تھی۔

وہ اس سے سچی محبت کرتا تھا اس لیے نہ جانے کیسے سب کو ساتھ لائے اس نے اپنی محبت کو حاصل کر لیا اور نہ وہ تو اس کا اپنی ضد اور طاقت کی وجہ سے کھو چکی تھی۔ اب لالہ کو سب گھروالوں پر بھی فضا رہا جو خرم کے ساتھ کی کما صرف اس کو تانے رہے بلکہ اس کے توتوتے کا مڑ بھی لیتے رہے اور بے حد پیار بھی آ رہا تھا جو مجھ سے پوچھنے بغیر خرم کے رشتے کی ہاں کر دی تھی اور یہ پیار ہر حال مجھ سے زیادہ تھا۔ جب کرن سب باتیں بتا کر اٹھنے لگی تو لالہ نے پوچھا۔

”اب تم مجھے اپنے بارے میں ایک بات بتاؤ تم ریحان کے قریب کیسے ہوئی جب کہ تم کو کبھی ان کے گھر بھی نہیں گئی؟“ لالہ کی بات سن کر کچھ دیر سوچتی رہی پھر نظریں

بجھائیں اور کہا۔



ہم فخرت صرف اسی سے کرتے ہیں جس سے ہمارے دل میں وہی شوق پیدا ہوتا ہے جو کہ ہمیں اس کی بات سن کر ہمارے دل میں پیدا ہوتا ہے۔ ہمیں یہی فخرت ہے۔ ہمیں یہی فخرت ہے۔ ہمیں یہی فخرت ہے۔

تو تم اہل لایا کسی، بہن بھائی سے میری شادی کتنی تھی؟ گریہ نہیں ہوا۔ میں تمہیں ڈراتا رہا اور باہر باہر اس میں لگا رہا تو یہ خوب صورت رات ضائع ہو جائے گی۔ صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ جہان لیانہ مجھے۔ فوہ رکالہ۔ جو بڑی توجہ سے اس کی باتیں سن رہی تھی جلدی سے پوچھا۔

”کیا؟“ فرم نے ہنس کر کہا۔

”وہی بکاہو معاش۔ کیسے میں نے تمہارے کہے دنا تمہاری خواہش پوری کر دی۔“

”میری خواہش؟“ لالہ نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے پوچھا۔

”عالمک بات تو اب صاف تھی۔ مجھ سے شادی کرنا کیا تمہاری خواہش نہیں تھی؟“ فرم نے مسکراتے ہوئے کہا اور لالہ نے ایک بار پھر کچھ نہیں سمجھا اور لب فرم بتا رہا تھا۔

وطن واپسی پر جب پہلی بار تم نے آپ کہہ کر مجھے مخاطب کیا تھا چونکہ تو میں اسی وقت گیا تھا۔ سو پھر محترمہ کو حائل آگئی ہے۔ پوچھ چل گیا ہے مجھے کیا کہہ کر مخاطب کرنا ہے مگر بعد میں جب اپنی زندگی کا نام ہی تو مجھے غصہ آنے لگا جب تم مجھ سے بات کرتی تھی تو تمہارا لہجہ کمزور ہوتا تھا مگر ہاں کروانے کی کوئی صورت مجھے نہیں آتی تھی۔ اس پر تم یہ کہ تم نے سب سے بھی گریز ہی نہیں۔ بہت سوچ کر میں نے بھائی کو بلا دیا۔ تم نے اس کے ساتھ جو باتیں کیں ان میں میرے لیے سب سے اہم یہی تھی۔

اگر میں نے تمہارے ماموں سے شادی کر لی تو وہ ساری زندگی مجھ سے یہ کہے گا کہ میں نے ایک معمولی موٹر مینیک کو لکھ کر لیا تو جب وہ جس میں نکاح شادی کر لی۔ یہ سب سن کر میں نے بھائی سے کہا کہ تمہاری پہلی اپنی جوتی ان کی وجہ سے کچھ فیصلہ نہیں کر پاری۔ تم اب پھر جاؤ اور اس کو نکاح شادی کے بعد ایسی غلطیات میں کبھی نہیں کروں گا مگر اب کتنے تم نے نرسن کو بھی بے حد تپا تھا۔ اس نے طے سے کہا۔

”ماموں وہ میری پہلی ہے۔ میں اس کو اچھی طرح جانتی ہوں۔ وہ بہت فندی ہے۔ آپ اس کو بھول کر نہیں لے کر لیں۔ انوکھی طبیعت اب نہیں رہتی۔ وہ اب آپ کے کیا گھر کے کام بھی نہیں کر سکتیں۔ چھوڑیں لالہ کو بھولنے کی اچھی سی ٹوکی دیکھ کر شادی کر لیں۔“ وہ مجھے سمجھا کر چلی گئی اور میں چاہنے کے باوجود بھائی کو یہ نہ کہہ سکا کہ تمہاری تو وہ صرف پہلی ہے۔ میری تو محبت ہے۔ محبت نہیں میری زندگی کا حاصل ہے۔ میری زندگی ہے وہ اگر ان کی بات کے انھوں نے کچھ فیصلہ نہیں کر پاری تو میں نے سوچا چلو میں اپنے طور پر ایک بڑائی کرنا ہوں۔ چتریم کے لیے خود کو دھڑ سے غائب کر کے دیکھا ہوں کیا وہ میری کی محسوس کرتی ہے۔ اگر مجھ سے وہ بے شک محبت کرتی ہے تو پتا چل جائے گا۔ وہ راتوں سے مجھے ہر اتوار صبح پر دیکھنے کی عادی ہے اور اب میرے نہ دکھائی دینے پر ڈنڈن ضرور ہوگی۔

یوں تو اگر کو محبت پر کھڑا ہو کر تمہیں دیکھنے کی بجائے کرسی پر بیٹھا جالیوں سے دیکھتا رہ میری بڑائی کا کیا بدی تھی۔ میرے دکھائی نہ دینے پر تم اپنی سیٹ ہو گئی تھیں۔ کپڑے پھیلاتے ہوئے تم نے کتنی بار پھر اہر کو میری محبت کی جانب دیکھا تھا تمہاری بے قراری دیکھ کر میں مسکراتا رہا اپنی جیت کا تو مجھے پکا یقین تھا مگر یہ جیت اتنی جلدی پہلی بار دھڑ سے غائب ہوتی ہی پھیل جائے گی۔ اس کا یقین نہیں تھا۔ ہاں تو جب تم نے میری کی محسوس کر لی تو اس کا مطلب تھا میں جیت گیا۔ میری محبت جیت گئی۔

اب تمہیں پانے حاصل کرنے کا طریقہ سوچنا تھا۔ سیدھے طریقے سے تو تم ہاتھ آنے والی نہیں تھیں اور بہت زیادہ نام ضائع کیے بغیر میں نے تمہیں پانے کا طریقہ سوچ دیا تو پھر توں کر کے بھائی کو بلا دیا تو جب میں نے اس کو اپنا بیان بتایا تو بھائی نے ہنسا کر کہا۔

”فرض کریں اگر بھائی مان جاتی ہے۔ اماں اور سارے گھر والے بھی ہاں کر دیتے ہیں لیکن اس فندی نے اگر عین شادی کے دن انکار کر دیا تو پھر کیا ہوگا۔ ذرا سوچیں کتنی بے عزتی ہوئی آپ کی؟“ بھائی کی بات سن کر میں نے کہا۔

”پہلی بات تو یہ کہ وہ انکار نہیں کرے گی۔ اس بات کا مجھے پورا یقین ہے اور فرض کرو اگر وہ انکار کرتی بھی ہے تو یہ میرا مسئلہ ہوگا تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔“ بھائی مان تو نہیں رہی تھی مگر میری حالت دیکھ کر مان گئی اور مجھے پورا یقین تھا۔ اماں عابد بھائی کبھی انکار نہیں کریں گے۔ ایک تو اس لیے کہ وہ پہلے ہی مجھے بے حد پسند کرتے تھے دوسرے کسی چیز کی بھی تو اب کی نہیں تھی مجھ سے۔ اتنا کہہ کر فرم نہ موش دوا تو لالہ نے بڑی بتانی سے پوچھا۔

”پھر۔۔۔“

”پھر غصہ کرنا کہ جیسا میں نے سوچا تھا ویسا یہ ہوا۔ بھائی نے بھائی سے بات کی اور سب کچھ بتا دیا اور یہ بھی کلامہ شادی سے انکار کیوں کرتی ہے اور میں کیا چاہتا ہوں۔ بھائی نے مان اور عابد بھائی سے اور فیصلہ فندی میرے حق میں ہو گیا۔ جب بھائی نے فون پر خوشخبری سنائی تو میرے ساندہ مگر اسکون اتر گیا۔ میری محنت ضائع نہیں گئی تھی۔ جس کی خاطر پانچ سال پر دس میں کالے تھے وہ میری ہونے والی تھی۔ اسی وقت میں نے مان سے بھی بات کرنے کا سوچ لیا اور رات کا کھانا کھانے کے بعد میں نے مان کے پاس دے دیے ہوئے پوچھا۔

”اماں جی اللہ آپ کو کبھی ملتی ہے؟“ مان کی آنکھیں بند تھیں۔ میری بات سن کر مان نے فوراً پوری آنکھیں کھول کر مجھے دیکھا جیسے میری بات سمجھ گئی ہوں۔ میرے ہاتھ پر سے کرتے ہوئے مان اٹھ بیٹھی اور مجھے سمجھانے والے انداز میں کہا۔

”چرا اگر تم شادی کے حوالے سے بات پوچھ رہے ہو تو میں تمہیں صاف صاف بتا دوں۔ مجھے وہ بڑی پسند نہیں۔ حد سے زیادہ تمیز اور تک چڑھی ہے۔ کبھی مجھے سلام تک کرنا کورا نہیں کرتی۔ اماں صاحبہ کبھی ان کے گھر جاؤں گھر کو گھر کر دیتی ہے۔ مجھے۔ بھانے میں نے اس پر کیا کیا ظلم کر رکھا ہے۔ میرا تو اس کی وجہ سے ان کے گھر جانے کو دل نہیں چاہتا۔ پر کیا کروں باقی گھر والے بہت اچھے ہیں۔ خاص کر اس کی اماں اتنی اخلاق والی عورت ہے کہ کیا بتاؤں۔ مجھ سے بہت محبت کرتی ہے۔ بس اسی وجہ سے کبھی کبھی جلی جاتی ہوں۔ میری مان تو اللہ کی بجائے کرن سے شادی کر لو۔ بہت اچھی ٹوکی ہے پھر لالہ کام چور بھی بہت ہے۔“ اپنی بات ختم کر کے مان نے میری رائے جاننے کے لیے میری جانب دیکھا تو میں نے اس کو بھی سب کچھ بتا دیا اور یہ کہ تمہاری منگنی کبھی میں نے ختم کر لی تھی۔ میری وجہ سے وہ آپ کو خفا تھا مگر یہ ہے۔ ساری بات سن کر مان نے مجھے خوبہ اننا اور فیصلہ مان سے تمہارے حق میں دے دیا۔ اب ایک سب سے بات سنو۔ جس دن منگنی کی رسم ہو جائی۔ چھوٹا بھائی ان دن میرے پاس آجیادہ بے حد پریشان تھا۔ اس نے مجھ سے پوچھا۔

”ماموں یا راہو اتوں میں سے ایک بات آپ کو لازمی کرنی ہے۔ پہلی یہ کہ آپ کرن کے ساتھ شادی کرنے سے فوراً انکار کر دیں۔“ میں اس کی بات کا مطلب اچھی طرح سمجھ گیا اور اس کو ٹھک کرنے لگا۔

”اگر میں ایسا نہ کروں تو۔۔۔؟“

”تو پھر دوسری بات یہ ہے یا تو آپ مجھے شوٹ کر دیں یا میں آپ کو ضرور شوٹ کر دوں گا۔“ اس نے بے خوفی سے کہا۔

”مجھے شوٹ کرنے کی وجہ۔۔۔ میں نے سکون سے پوچھا تو ریمان نے بھرتی ہوئی آواز میں بتایا۔

”میں اور کرن ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔ آپ آپ کرن سے شادی کریں یہ میری فداداشت ہے۔ باہر ہے۔“ یہ سب سن کر میں نے بھانے کو اصل بات بتادی ہوں یہ مسئلہ حل ہو گیا اور دھڑ کرن سے میرا رشور وکنے کی جوتی نے کوشش کی کہ تم سے جو کبھی بنیں پڑا تم نے کیا مگر فوس رشور فتم نہ ہو سکا کہ یہ کرن سے نہیں تم سے ملے ہو تھا۔ کرن نے ایک ایک بات بتادی تھی مجھے کہ کسی نے تمہاری ایک نہیں مانی اور اب تم پر ان کا پھر پرتی ہو۔

لالہ کو یہ سب سن کر شرمندگی ہو رہی تھی اور فرم پھینچنے والے انداز میں کہہ رہا تھا۔

”ابھی کل رات اپنی رزم بندی سے پہلے تم نے بھائی سے میرے بارے میں جو کچھ بھی کہا وہ سب ایک ایک لفظ بتا دیا تھا بھائی نے مجھے۔

”وہ ہے ہی کیونسی۔“ لالہ نے دل میں سوچا اور فرم نے ہنس کر کہا۔

”جی کہا تھا بھائی سے تمہارا ماما تو تھا ہی بکاہو معاش۔ ویسے آتے ہی کرن کو دیکھا تو دل اس پر آگیا۔ کرن پر نظر رکھو۔ اس لیے کہ وہ مجھ سے زیادہ پڑھی لکھی خوب صورت ہو کر پھر بھی ہے۔“ لالہ کو یہ سب سن کر شرم آ رہی تھی۔ پھر وہ چونک پڑی۔ فرم کہہ رہا تھا۔

”میرے لیے اس دنیا کی خوب صورت ٹوکی تم ہو صرف تم کو تلبام کو کہہ اچھی چیز ہے لیکن میرے لیے تعلیم کی اتنی محبت نہیں کہ مجھ سے تو کوری نہیں کرونی۔ ہاں بچوں کی تربیت کے لیے تعلیمی مضر ہو رہی ہے وہ تمہارے پاس بھی ہے اور میرے پاس بھی۔ اب صرف ایک بات کا جواب دینا کہ یہ باتوں والا سلسلہ ختم ہو۔ اماں کچھ کہتی تھیں یا کہ میں کہہ یاں کوئی کسی سے پتا نہیں کرتا۔ یعنی لوگ آج بھی جی محبت کرتے ہیں جیسے کہ میں نے تم سے کی اور پھر بھائی بھی۔“

لالہ سب سن کر بھی چپ رہی تو فرم نے پھر پوچھا۔

”جی محبت کرنے والے ہر دور میں زندہ رہتے ہیں وہ بھی محبت زندہ ہو دوسروں سے۔ پلیز بتاؤ گا میں کچھ کہتا تھا کیا کہ اماں کہتی تھیں؟“

”آپ ہی بتا دیجئے مجھے اور آپ ہی بتا دیجئے۔“ لالہ نے شرمناک شرمناک انداز سے کہا تو چند منٹ کے لیے دونوں طرف خاموشی رہی پھر فرم نے پوری غنچیدگی سے پکارا۔

”لالہ!“

”جی۔“ لالہ نے کچھ ہی اٹھا کر اس کو دیکھا تو فرم نے پوچھا۔

”پتھو نے کی اجازت ہے؟“

لالہ نے ضبط کرنے کی کوشش بہت کی تھی مگر فرم نے کہا ہی کچھ اس انداز سے تھا کہ لالہ کی ہڈی ٹھٹھکی گئی۔ اس کو نہ بتا دیکر اس نے خود بھی اس کے ساتھ قہقہہ لگایا۔

پھر زری سے لالہ کا ہاتھ تمام کر انگلی اٹھائی میں ڈالی ہوں اس نے جبکہ کر اس کے ہاتھ کی پشت چوم لی تو لالہ نے خود ہر دگر کے انداز میں مرفرم کے سینے پر رکھتے ہوئے پرسکون ہو کر آنکھیں موند لی تھیں۔

